تالیف: علامہ ابن عطاء اسکندریؒ
ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانویؒ

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ نمبر
عرضِ مترجم	۹
کتاب کی ابتداء اور حمد	۱۳
نعت	۱۴
تمہید مقصود	۱۵
بیان آیۂ فلا وربک لا یؤمنون	۱۶
اسبابِ رضا بالقضا	۱۹
سبب اول تا ہشتم	۲۰ تا ۲۵
فوائد آیۂ وربک یخلق ما یشاء	۲۶
نو مقامات یقین	۲۹
تدبیر سے توبہ	۳۰
زہد کا صحیح طریقہ	۳۰
تدبیر اور صبر و شکر	۳۰
تدبیر اور امید و بیم	۳۱
تدبیر اور توکل	۳۱
تدبیر اور مقام محبت	۳۱
تدبیر اور مقام رضا	۳۱
اللہ کی تدبیریں بندوں کیلئے	۳۲
ترک تدبیر پر پہلی حجت	۳۴
ترک تدبیر پر دوسری حجت	۳۵
تیسری حجت	۳۵
چوتھی حجت	۳۶
پانچویں حجت	۳۷

مضامین	صفحہ نمبر
ابراہیم بن ادہم کا واقعہ	۳۸
ترک تدبیر پر چھٹی حجت	۳۸
شیخ ابومدین کا فرمان	۳۹
ترک تدبیر پر ساتویں حجت	۳۹
آٹھویں حجت	۳۹
ایک شیخ کا فرمان	۴۰
نویں حجت	۴۰
دسویں حجت	۴۱
شیخ ابوالحسن کی دعا	۴۱
ایک حکایت	۴۲
حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ اور اس کی حکمتیں	۴۴
شیخ ابوالحسن کا ارشاد	۴۵
قاعدہ جلیلہ	۴۸
تنبیہ و اعتبار	۴۹
ترتیب و بیان	۴۹
رجوع بمطلب	۵۰
حضرت بایزید کی تمنا	۵۳
شیخ کا ارشاد	۵۳
حضرت نوح کا واقعہ ایک درس عبرت	۵۸
مقام عبرت	۵۸
فوائد آیۂ ان الذین اتقوا	۶۱

مضامین	صفحہ نمبر
قاعدہ اولیٰ کا دوام	۶۱
حکمت تخلیق شیطان	۷۰
قصہ حضرت خضر علیہ السلام :	۷۲
تقریر یہ بیان جس میں قواعد تدبیر ومنازعت تقدیر کا ذکر ہے	۷۳
حقیقی اسلام اور مسلم	۷۵
قصہ ابراہیم علیہ السلام	۷۵
قاعدہ جلیلہ	۷۶
ایک شبہ کا جواب	۷۶
دوسرا قاعدہ جلیلہ	۷۷
انسان کی خلافت الٰہی	۷۸
تتمہ واقعہ خلیل علیہ السلام سے	۸۰
تدبیر کی قسمیں	۸۲
زہد کی علامتیں	۸۵
شیخ کا خواب	۸۵
صحابہؓ کی سادہ زندگی اور طلب دنیا	۸۶
بعض بالمارسیؒ کا حال	۸۹
ایک شبہ اور اس کا جواب	۹۲
تدبیر دنیا کی واضح علامت اور دلائل	۹۲
حضرت حسنؒ کا فرمان	۹۳
وسائل و اسباب کا مرتبہ	۹۳
دنیا دار نیک و دنیادار بد کی تفصیل	۹۵
نفس کی خصلت	۹۶
دنیاداروں کیلئے دو ضروری چیزیں	۹۶

مضامین	صفحہ نمبر
اہل دنیا کیلئے ضروری ہدایات جن پر عمل کر کے وہ دینداری کے ساتھ دنیادار رہ سکتے ہیں	۹۷
پہلی تا پانچویں ہدایت	۹۷
حج کس پر فرض ہے؟	۹۹
چھٹی تا دسویں ہدایت	۹۹
غیبت کا گناہ اور اس سے بچنے کا طریقہ	۱۰۲
شیخ کے بیان کردہ چار آداب اور ان کی تشریح	۱۰۱
مضمون اصلی کا بیان شروع	۱۰۳
دل کی سیاہی	۱۰۵
دنیوی تدبیر کا نقصان	۱۰۶
دنیوی تدبیر اور اس کا علاج	۱۰۷
چیونٹی کا قصہ	۱۰۹
تدبیر کی اصل و بنیاد	۱۱۰
آیت کے ذیل میں نفس کی تشریح	۱۱۱
رزق کی فکر اور دنیا طلبی کے شیطانی دھوکوں کی تفصیل اور ان کا علاج	۱۱۵
حیوانات کو ضروریات اور حاجات کا محتاج بنانے کا قاعدہ	۱۱۷
رضا کی حقیقت و تشریح آیت	۱۱۹
ایک شبہ کا جواب	۱۲۰
ایک شبہ کا جواب	۱۲۳

مضامین	صفحہ نمبر
نفس کی لذتیں حاصل کرنے کا	
ایک واقعہ	۱۲۵
حق تعالیٰ ہی رزق پہنچانے کا	
ذمہ دار ہے	۱۲۶
معتزلہ کا مذہب اور اسکی تردید	۱۲۷
ابراہیم بن ادہم کی توبہ	۱۲۸
امام مالک کا فرمان، درویشی کی تعریف	۱۲۹
یادِ الٰہی میں غرق انسانوں کے قصے	۱۲۹
فوائد آیت اور مقصود کا بیان	۱۳۰
علم نجوم کا اثر ایمان پر	۱۳۱
دوسری آیت رزق اور اس کے فوائد	۱۳۲
تیسری آیت رزق اور اسکے فائدے	۱۳۳
فضائل نماز، فائدہ سوم	۱۳۶
نماز مجموعہ عبادات	۱۳۹
بندے اور خدا میں تقسیم کار	۱۴۰
تنگی معاش کا علاج	۱۴۲
چوتھی آیت رزق	۱۴۴
شیخ کا ارشاد	۱۴۵
پانچویں آیت رزق اور اسکے فائدے	۱۴۷
ایک دیہاتی کا یقین	۱۴۹
مکار دین داروں کا حال	۱۵۰
ہمارے آج کے یقین پر	
دنیا کا قصہ عبرت	۱۵۸
احادیث رزق	۱۵۹

مضامین	صفحہ نمبر
دنیاوی ذریعہ معاش کرنا اور	
اس کے فائدے	۱۶۰
کسب معاش اور رضا کے حق	
میں قول فیصل	۱۶۲
روزی کمانے والوں کی قسمیں اور	
طلب رزق میں اجمال کے معنی	۱۶۲
ایک حکایت	۱۶۳
شیطان کی ایک بڑی مکاری	
کا انکشاف	۱۶۴
ثعلبہ کا قصہ	۱۶۸
دعا قبول ہونے کی مدت	۱۶۹
دعا کا مجرب طریقہ	۱۷۰
مضمون اصلی شروع	۱۷۲
مال جمع کرنے والوں کی قسمیں	۱۷۲
حضرت معروف کرخی کی دعاء	۱۷۳
مومن کا مرتبہ	۱۷۴
ایک عارف کا قصہ معرفت	۱۷۹
حکایت اخیر	۱۸۱
حضورؐ کے مال جمع کرنے کی وجہ	۱۸۱
طالب علم کا رزق اور علم کی تعریف	۱۸۲
شیخ کی دعاء اور طلب رزق	۱۸۳
نعمتوں کا جواب و سوال	۱۸۴

مضامین	صفحہ نمبر
رزق کے ساتھ مقام توحید بھی	
دنیا کے ساتھ دین	۱۸۴
شیخ کا ارشاد	۱۸۵
مکار صوفی کا حال	۱۸۵
رزق اور اس کے اثرات و کیفیات	۱۸۶
صوفی کیلئے ہدایت	۱۹۰
ایک عارف کا قول معرفت	۱۹۰
حیات ابراہیم کا سبق	۱۹۰
مالدار ہونے کا مجرب نسخہ کیمیا	۱۹۱
عمل خیر کی کسوٹی اور اثر	۱۹۲
حضرت علیؓ کا وعظ	۱۹۳
اللہ والوں کے قصے رزق کے متعلق	۱۹۴
حضرت علیؓ کا ارشاد	۱۹۵
بخل کی قسمیں اور تعریفات	۱۹۶
نوافل کی حکمت	۱۹۹

مضامین	صفحہ نمبر
نوافل کیلئے وقت کی قید کیوں ہے؟	۱۹۹
شیخ کا بتایا ہوا وظیفہ	۲۰۰
مضمون اصلی شروع	۲۰۱
نکاح کا ایک قصہ	۲۰۲
معرفت الٰہیہ	۲۰۳
انسانوں کی قسمیں	۲۰۴
اللہ کے مقابلہ میں تدبیر کرنے والوں کی مثالیں اور خدا کی بندگی کرنے کی عقلی دلیلیں	۲۰۵
خدا تعالیٰ کا بندوں سے خطاب	
اولیاء اللہ کی زبانی	۲۱۷
دعا اور خاتمہ کتاب	۲۲۵
مناجات	۲۲۸
قطعہ تاریخ	۲۳۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا در انتظار حمد ما نیست — محمد چشم بر راہ ثنا نیست
خدا مدح آفرین مصطفیٰ بس — محمد حامد حمد خدا بس
مناجاتے اگر خواہی بیان کرد — بہ بیتے ہم قناعت میتوان کرد
محمد از تو میخواہم خدارا — الٰہی از تو حب مصطفیٰ را

امابعد عرض کرتا ہے یہ احقر خدام آستانہ فیض کا شانہ امام العارفین مقدام الراسخین سراج الاولیاء تاج الکبراء زبدۃ الواصلین قدوۃ الکاملین شیخ المشائخ سید السادات جنید الزمان بایزید الدوران سیدی وسندی ومعتمدی ومستندی ذخیرۃ یومی وغدی مکان الروح من جسدی حضرت مرشدنا ومولانا الحافظ الحاج الشاہ محمد امداد اللہ المہاجر التھانوی مولداً والمکی موردا الفاروقی نسباً والحنفی مذہباً الصوفی مشرباً ادام اللہ تعالیٰ کا عمرہ الشریف ابداً امن اللہ علی العباد۔ وافاضۃ علی طالبی الرشاد کہ ہمارے ملک میں اکثر لوگ تحصیل دنیا پر اس قدر گرے ہیں کہ حلال وحرام میں بھی تمیز نہیں کرتے اور اوامر ونواہی کی خبر نہیں رکھتے کاروائی پر نظر ہے نہ حساب کی خبر نہ عتاب کا خطرہ ہے منشاء اس انہماک واستغراق کا یہی ہے کہ تقدیر پر اعتماد نہیں پھر ان میں بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ مسئلہ تقدیر کو عقیدہ حق جانتے ہیں مگر پست ہمتی سے ظاہر کو باطن کے موافق نہیں کر سکتے اور بعض ایسے ہیں کہ مسئلہ تقدیر ہی کو فسانہ بے معنی سمجھتے ہیں اور ایسے اعتقاد والوں پر ہنستے ہیں۔ یہ خیال باطل مدعیان تہذیب وروشنی جدید کا جمایا ہوا ہے جنہوں نے اس کے علاوہ دین میں اور بھی بہت سا فتور مچایا ہے۔

ایک روز حضرت والا ممدوح اللہ کرو دام ظلہم کی محفل قدس و مجلس انس میں کہ منبع فیوض و انوار و معدن برکات و اسرار ہے۔ منجملہ و افادات اس مضمون کا بھی تذکرہ ہوا۔ از انجا کہ مقبولانِ الٰہی مظہر اتم صفت رحمت کے ہوتے ہیں۔ حضور ممدوح دام ظلہم کو براہ شفقت و دلسوزی خیال ہوا کہ ان غریقان بحر غفلت کو ساحل ہدایت پر لانے کی کوئی صورت نکالی جائے۔ ارشاد فرمایا کہ کتاب تنویر فی اسقاط التدبیر تصنیف حجت الاولیاء ابن عطاء صاحب حکم قدس سرہ اس بحث میں خوب ہے جس کا ہر مضمون مدلل بدلائل عقلیہ و نقلیہ و کشفیہ ہونے کے سبب سے مقبول و مرغوب ہے۔ اگر اردو زبان میں اس کا ترجمہ ہو جائے تو نفع اس کا عام اور فیض اس کا تام ہو اور عجب نہیں کہ مدعیان مذکور بھی بشرط فہم و انصاف و ترکیب تعصب و اعتساف راہ راست پر آ گئیں ورنہ اور سارے مسلمان تو اس اعتقاد فاسد اور خیال کاسد سے محفوظ رہیں گے اور کسی کے دام میں نہ پھنسیں گے اور نیز اس سے طلباء کو علم اور علماء کو عمل اور عابدوں کو معرفت اور عارفوں کو حال اور اہل حال کو مقام اور اہل مقام کو کمال اور اہل کمال کو دوست بے زوال نصیب ہوگی اور اس نادان ناکارہ کو جو خاص واسطے استفادۂ معانی و برکات کے حضور میں ہند سے چند ماہ کا آیا ہوا تھا اور اس وقت حاضر محفل فیض منزل تھا ترجمہ کیلئے فرمان ہوا جس پر میں باوجود اپنی نااہلیت کے امتثالاً للامر مستعد بدل و جان ہوا۔ روزانہ تھوڑا تھوڑا لکھتا اور حضور میں سنا دیتا یہاں تک بہت تھوڑی مدت میں بحمد للہ اتمام کو پہنچا اور اکسیر فی اثبات التقدیر نام رکھا گیا میری ہما ستعدادی و کاہلی پر اس امر کا سرانجام ہونا محض حضور دام ظلہم کا فیضان ہے۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقان مصلحت را تہمتے بر آہو چین بستہ اند

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل نسیم صبح تیری مہربانی

بعض مواقع پر تفصیل اجمال یا توضیح اغلاق کے لئے ترجمہ سے زائد متن میں کچھ بڑھایا گیا اس کے شروع پر حروف ف اور اس کے ختم پر حرف ت لکھ دیا گیا اور کہیں کہیں حاشیہ پر حضور دام ظلہم کے بعض ارشادات جو وقت استماع ترجمہ فرماتے

جاتے تھے لکھ کر ختم پر ملفوظ لکھ دیا اور بعض جگہ جو خود ہی کچھ لکھا اس کے بعد مترجم لکھ دیا اور اس ترجمے میں حضرات اخوان الطریقت وخلان الحقیقت جناب مولوی محب الدین صاحب پشاوری و جناب مولوی حمزہ صاحب دہلوی و جناب مولوی ابو احمد صاحب بھموی و جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب سنبھلی سلمہم اللہ تعالیٰ و کرمہم و نعمہم سے بہت مدد ملی خاص طور پر جناب مولوی سید حمزہ صاحب نے سب سے زیادہ مدد فرمائی (بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بنیاد ترجمے کی مولوی صاحب ہی نے ڈالی اور احقر نے صرف دیوار یں اٹھائی ہیں) جزاہم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء پھر یہ ترجمہ تاج الاولیاء سراج الفضلاء مولانا ذوالفقار علی صاحب رئیس دیوبند ضلع سہارنپور مدظلہ العالی کی خدمت میں اصلاح کے لئے بھیج دیا گیا مولانا ممدوح کے نظر فرمانے کے بعد اب یہ ترجمہ انشاء اللہ تعالیٰ قابل اطمینان ہے پھر بھی اگر کہیں کوئی لغزش پائی جائے تو وہ اس نادان کی طرف سے شمار کی جائے اور ناظرین سے امید ہے کہ جب اس کا مطالعہ کریں تو مذکورہ بزرگان کے ساتھ اس احقر کو بھی دعائے خیر میں جگہ دیں۔ یا الٰہی اس ترجمہ کو مقبول فرما کر ذریعہ ہدایت بنا اور ہم کو بھی توفیق عطا فرما آمین۔ یا رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ واصحابہ وازواجہ و ذریاتہ و عترتہ و اولیاء امتہ اجمعین ابد الآبدین و دھر الداھرین۔

عرض ضروری: چونکہ تفصیل بعد الاجمال خوب دلنشین اور ذہن میں جاگزین ہوتی ہے اس لئے اس کتاب کا خلاصہ مضمون سرسری طور پر پہلے لکھ دینا مناسب معلوم ہوا کہ اہل فہم مکرر اس سے محظوظ ہوں اور کم فہم غلط فہمی سے محفوظ رہیں۔ و ھو ھذا

جاننا چاہئے کہ تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی پھر بھی بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں سے کہ ان میں بعض اسرار و حقائق ہیں کہ تدبیر مشروع ہوئی مگر چند شرائط کے ساتھ مشروط کی گئی اس اصول میں اس کے سات امر ہیں۔ اول۔ وہ تدبیر شریعت کے خلاف نہ ہو۔ دوئم۔ تدبیر پر بھروسہ نہ ہو بلکہ مسبب الاسباب پر نظر

رہے۔ سوم۔ دنیا کی تدبیر کرے اس میں آخرت مقصود ہو۔ چہارم۔ دنیا کی تدبیر میں اتنا غرق نہ ہو کہ اللہ سے اور اس کے احکام سے غافل ہو جائے۔ پنجم۔ صلحاء اور علماء کی صحبت ترک نہ کرے تا کہ دورت اسباب اثر نہ کرے۔ ششم۔ حقوق شرعی ادا کرتا رہے۔ ہفتم۔ ہر شخص اپنی حالت کے اعتبار سے ضرورت سے زیادہ جمع نہ کرے یہ تو ہم نے درخت شمار کرا دیئے اب بسم اللہ کر کے باغ میں چلو اور علم و حکم کے پھل نوش جان کرو آگے ترجمہ شروع ہوتا ہے

والله الموافق و هو الهادی الی صراط مستقیم

اشرف علی تھانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یوں فرماتے ہیں حضرت امام عارف پیشوا محقق تاج العارفین لسان المتکلمین امام زماں یکتائے دوراں حجۃ السلف امام الخلف قدوۃ السالکین حجۃ المتقین تاج الدین ابوالفضل احمد بن محمد بن عبدالکریم بن عطاء اللہ سکندری اللہ جل شانہ ان سے خوش ہو اور ان کو خوش کرے اور ہم سب کو اور تمام مسلمانوں کو ان کی ذات مقدسہ سے نفع بخشے ۔ بیشک وہ سب کی سنتا ہے اور سب سے قریب ہے ۔ اور سب کی دعا قبول کرتا ہے ۔

حمد

حمد کے قابل اللہ جل شانہ ہے جو کہ خلق اور تدبیر میں یکتا ہے علم اور تدبیر میں یکتا ہے ایسا بادشاہ جس کو کسی سے مماثلت نہیں کسی کو اس کی سی سماعت و بصارت نہیں اس کی سلطنت کو حاجت وزیر نہیں ۔ ایسا مالک جس کی ملک سے کوئی بڑا یا چھوٹا نہیں ۔ کمال وصف میں کوئی اس کا مقابل اور ہمسر نہیں ۔ کمال ذات میں امکان تمثیل و تصویر نہیں ۔ ایسا علیم کہ اس سے کسی کا ارادہ تک پوشیدہ نہیں چنانچہ خود فرماتے ہیں ۔

الَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ٥

یعنی بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا حالانکہ وہ باریک بین اور نہایت خبردار ہے ۔

وہ ایسا عالم ہے جو ہر امر کی ابتداء اور انتہا سے خوب واقف ہے ۔ وہ ایسا سننے

والا ہے جس کے آگے چیخنا اور چپکے سے بولنا برابر ہے، وہ رزاق ہے تمام مخلوقات کا روزی رساں ہے، وہ قیوم ہے اور سب کا ہر حالت میں ذمہ دار ہے۔ وہ بخشش کرنے والا ہے اور اس نے اپنے کمال احسان سے روحوں کو وجود حیات بخشا، وہ قدرت والا ہے اور اپنے کمال قدرت سے مخلوق کو پھر دوبارہ زندہ کرے گا، وہ بڑا حساب کرنے والا ہے اور ان کو بدلہ دے گا جس روز وہ اچھے اور برے عمل لے کر اس کے روبرو حاضر ہوں گے۔ جل ہر عیب سے پاک وہی ذات مقدس ہے جس نے بندوں پر ان کے وجود سے پہلے انعام فرمایا اور ان کو ہر حال میں رزق پہنچاتا ہے، خواہ اس کا حکم نہیں یا نہ مانیں اور اپنے کرم سے ہر موجود کی مدد کی اور اس کے وجود با جود کی مدد سے تمام عالم کے وجود کی بقاء ہے اور زمین پر اس کی حکمت کا ظہور ہے اور آسمان پر اس کی قدرت کا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اس یکتا کے کوئی اور عبادت کے لائق نہیں اور کوئی اس کی شرکت کا مستحق نہیں اور ایسی گواہی دیتا ہوں جیسے تابعدار اور حکم کا ماننے والا بندہ دیا کرتا ہے۔

نعت

میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جو سب پیغمبروں سے افضل ہیں اور اللہ جل شانہٗ نے ان کو اپنے کمال اور فضل وعطا سے مخصوص فرمایا ہے، ابتداء بھی انہیں سے ہے اور انتہاء بھی انہیں پر ہوئی اور یہ تفضیلات اور کسی میں نہیں ہیں اور جس روز اللہ جل شانہٗ اپنے بندوں کو فیصلہ کرنے کیلئے جمع کرے گا اس روز وہ سب کی شفاعت کریں گے، اللہ پاک کی رحمت ان کی ذات مقدس اور جمیع انبیاء اور ان کے آل واصحاب پر نازل ہو جو کہ آپ کی محبت کو مضبوط تھامے ہوئے ہیں اور اللہ جل شانہٗ ان پر بہت سا سلام بھیجے۔

تصرف اس نے کہ جاری ہیں ایسا تجھ پر!
مگر دل نے جھکایا ہے تیرا سر!

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اللہ کی جناب میں رسائی چاہتا ہے اس کیلئے لازم ہے کہ دروازے میں سے آئے۔ دروازہ حق ہے تقدیر ہوتا ہے۔ اور رسائی کے سامان پیدا کرے اور سب سے زیادہ چھوڑنے اور منہ موڑنے کے قابل تدبیر ہے جو اصل میں مقابلہ تقدیر ہے پس میں نے یہ کتاب اسی امر کے بیان اور اس میں جو کچھ ہے اس کو ظاہر کرنے کیلئے تصنیف کی ہے اور تنویر فی اسقاط التدبیر اس کا نام رکھا تاکہ اس کا اسم اس کے مسمی کے مطابق ہو جائے اور اس کی عبارت اس کے مطالب کے مطابق۔ یعنی تدبیر کے چھوڑنے کی خوبی کا روشن کر دینا ہے اور اللہ سے درخواست ہے کہ اس تصنیف میں اخلاص پیدا فرمائے اور اپنے فضل سے قبول فرمائے اور یہ خاص و عام کو اس سے نفع عطا کرے بوسیلہ محمد ﷺ کے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے اور قبول فرمانے کی قابلیت رکھتا ہے۔

بیان آیۃ فلا و ربک لا یؤمنون الآیۃ

اللہ جل شانہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ
لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

قسم ہے تیرے رب کی وہ لوگ ایمان دار نہیں ہوں گے جب تک اختلافات میں تجھ کو (اے محمد ﷺ) حکم نہ بنائیں۔ اور پھر تیرے حکم سے تنگ دل نہ ہوں اور اس حکم کو تسلیم نہ کریں۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ:

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ
سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ

تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی ۔ ہے مخلوق کو کچھ اختیار نہیں۔
اللہ جل شانہ مشرکوں کے شرک سے پاک ہے اور برتر ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰی

کیا انسان کو اس کی ہر آرزو میسر ہوتی ہے۔ پس اللہ ہی کی ہے دنیا اور آخرت۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جو اللہ کو رب بنا کر اور اسلام کو دین ٹھہرا کر اور محمد ﷺ کو نبی سمجھ کر راضی ہوا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا"۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

"اللہ سے راضی رہ کر اس کی عبادت کر اور اگر راضی رہنے کی تجھے قدرت نہ ہو تو نامرغوب شئے پر صبر کرنے میں بھی بڑی خیر ہے"۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات اور احادیث تدبیر کے ترک کرنے اور تقدیر سے نہ جھگڑنے پر دلالت کرتی ہیں خواہ صراحۃً یا اشارۃً اور اہل معرفت نے فرمایا ہے: جو شخص تدبیر نہیں کرتا اس کیلئے تدبیر ادھر سے ہوتی ہے اور شیخ ابو الحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں: "اگر تدبیر ضروریات سے ہے تو یہی تدبیر کرو کہ تدبیر کو چھوڑ دو" اور انھوں نے فرمایا ہے: کسی کام میں اپنی پسند کو دخل نہ دے اور اپنی پسند کو چھوڑ دینا پسند کرے اور اپنی پسند سے بھاگ اور اپنی اس بھاگنے بلکہ ہر شئے سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف بھاگ اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے پس پہلی آیت جو ہے یعنی فلا و ربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم۔ وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایمان حقیقی اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کو اپنے نفس پر حاکم بنا دے قول اور عمل میں اور کسی شئے کو اختیار کرنے اور ترک کرنے میں اور محبت میں بغض میں اور یہ شامل احکام تکلیفی اور احکام تصریفی دونوں میں شامل ہے دونوں میں اتباع اور تسلیم واجب ہے۔ احکام تکلیفی سے مراد شریعت کے اوامر و نواہی ہیں جو کہ افعال عباد سے متعلق ہیں اور احکام تصریفی سے مراد وہ امور ہیں جو اپنے مقصود کے خلاف وارد ہوتے ہیں۔ جب اس سے ثابت ہوا کہ حقیقت ایمان دو امروں سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک

اس کا حکم ماننا اور دوسرا اس کے قہر کے آگے گردن جھکا دینا۔ پھر حق سبحانہ وتعالیٰ نے اسی پر بس نہیں کیا کہ اس شخص کے ایمان کی نفی کر دیں جو رسول اللہ ﷺ کا حکم نہ مانے یا مانے مگر آپ کے حکم سے دل میں تنگی محسوس کرے بلکہ اس نفی پر اپنی ربوبیت کی قسم بھی کھائی جو جناب ختمی مآب کے ساتھ از راہ رعایت وعنایت کے خصوصیت رکھتی ہے۔ کیونکہ فلا و الرب نہیں فرمایا بلکہ فلا و ربک فرمایا پس اس میں قسم بھی اور جس بات پر قسم کھائی ہے وہ بھی موکد ہو گئی۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جانتا ہے کہ دلوں میں کیا چیز بسی ہوئی ہے۔ یعنی غضب اور عصرت کی محبت ہر حال میں خواہ اپنا حق کسی اور پر ہو یا کسی کا حق اپنے اوپر اور اس کلام میں اظہار اس امر کا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ جل شانہ کی کیسی کچھ عنایت ہے کیونکہ آپ کے حکم کو اپنا حکم اور آپ کے فیصلے کو اپنا فیصلہ قرار دیا۔ پس بندوں پر آپ کا حکم ماننا اور اطاعت کرنا واجب کر دیا اور خدائی پر ایمان لانا مقبول نہیں فرمایا۔ تاوقتیکہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کو نہ مانے کیونکہ جب آپ کی صفت میں یہ فرمایا کہ آپ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے وہ سوائے وحی کے اور کچھ نہیں ہے۔ پس آپ کا حکم، حکم الٰہی اور آپ کا فیصلہ، فیصلہ خداوندی ہے۔ جیسا تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ خدا ہی سے بیعت کرتے ہیں اور اس قول کو موکد فرمانے کیلئے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے اور اس آیت میں جناب رسالت مآب ﷺ کی رفعت قدر وعظمت امر کی طرف ایک دوسرا اشارہ ہے اور وہ قول یہ ہے: فَلَا وَرَبِّكَ اس میں اللہ جل شانہ نے اپنی ذات کو رسول اکرم ﷺ کی طرف منسوب کیا جیسے کہ دوسری آیت میں کہیعص ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۝ پس حق تعالیٰ نے اپنے نام پاک کو محمد ﷺ کی طرف مضاف کیا اور زکریا علیہ السلام کے نام مبارک کو اپنے نام مبارک کی طرف مضاف کیا تاکہ بندے دونوں مرتبوں کا فرق سمجھ لیں۔ پھر اللہ جل شانہ نے تحکیم ظاہری پر اکتفا نہیں کیا کہ اس سے مسلمان بن جائیں بلکہ یہ شرط لگائی کہ تنگ دلی بھی نہ ہونے پائے، خواہ حکم ان کی خواہش کے مطابق ہو یا مخالف اور دلوں کے تنگ ہونے کا سبب یہی

ہے کہ انوار سے خالی اور دھوئیں سے پر ہوتے ہیں اور مومن ایسے نہیں ہیں کیونکہ نور ایمان سے ان کے دل لبریز ہیں پس ان میں وسعت ہے اور انشراح اور خدا کے واسع علیم کے نور نے ان کو وسعت والا بنایا ہے اور اللہ کے فضل عظیم نے ان کی مدد فرمائی احکام کے تسلیم کرنے کو تیار ہیں اور ہر حال میں اس کی رضا پر راضی قائم۔ جاننا چاہیئے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ جب ارادہ کرتا ہے کہ کسی بندہ سے اپنے احکام کی سپاری کرائے تو اس کو اپنی انوار وصف سے خلعت عطا فرماتا ہے پس حکم الٰہی پیچھے نازل ہوتا ہے اور اس سے پہلے انوار نازل ہو جاتے ہیں جن سے وہ شخص اپنے رب کا امن چاہتا ہے پس نہیں رہا کوئی ہوس حکم کی گرانی وشدت پر قوی وصابر ہو جاتا ہے۔

اسباب رضا بقضا

بات یہ ہے کہ انوار وارد ہوتے ہیں اور تقدیر کی برداشت کرا دیتے ہیں خواہ یوں کہو کہ فہم کا دروازہ کھل جاتا ہے فہم آکر ان سے احکام قبول کرا دیتی ہے خواہ یوں کہو کہ عطائیں آتی ہیں اور بدن کو بوجھ اٹھوا دیتی ہیں خواہ یوں کہو کہ اس کی خوبی اختیار کا مشاہدہ کرتے ہیں اور تقدیر کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں خواہ یوں کہو کہ اس کے علم کا یقین اس کے حکم پر صابر بنا دیتا ہے خواہ یوں کہو کہ جب وہ جان گئے کہ وہ دیکھتا ہے ان کو اطاعات پر صبر آ گیا خواہ یوں کہو کہ اس کے ظہور جمال نے اس کے افعال پر صابر کر دیا خواہ یوں کہو جب ان کو یقین ہوا کہ صبر سے مقام رضا حاصل ہوتا ہے ان کو صبر آ گیا خواہ یوں کہو کہ حجاب اور پردوں کے اٹھ جانے نے ان کو صابر بنا دیا خواہ یوں کہو کہ ورود اسرار تعریف نے بار تکلیف کے برداشت کرنے پر قوت دے دی خواہ یوں کہو کہ جب ان کو علم ہوا کہ اس کے احکام میں کیا کچھ لطف و احسان ہیں وہ صابر ہو گئے۔ پس یہ دس اسباب ہیں کہ بندے کے صابر ہونے اور ثابت رہنے کا باعث ہوتے ہیں اپنے آقا کے احکام پر اور قوی رہنے کے موجب ہیں ان کے ورود ہونے کے وقت اور ان اسباب کا اپنے فضل سے عطا فرمانے والا اور مستحقان عنایت پر احسان کرنے والا وہی ہے۔ اب ہم کو ہر قسم پر ان اسباب سے

مضمون گفتگو کرنا چاہیے تاکہ فائدہ کامل ہو۔

سبب اول: وہ یہ کہ وہ انوار تقدیر کی برداشت کرا دیتا ہے یہ یوں ہے کہ انوار جب وارد ہوتے ہیں اور بندے کو حق سبحانہ وتعالیٰ کا قرب ہونا مکشوف ہوتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ یہ احکام اسی کی طرف سے ہیں، اس کا یہ جاننا کہ یہ احکام میرے آقا ہی کی طرف سے ہیں اس کی تسلی اور صبر کا باعث ہو جاتا ہے، تو نے ارشاد خداوندی نہیں سنا کہ: واصبر لحکم ربک رسول اللہ ﷺ کو فرمایا صبر کرو اپنے پروردگار کے حکم پر کیونکہ تم ہماری آنکھوں کے سامنے ہو یعنی یہ کسی غیر کا حکم نہیں کہ تم پر شاق ہو بلکہ وہ حکم تمہارے آقا کا ہے جس کا تم پر احسان قائم ہے اور ہمارا شعر ہے اس مضمون میں:

سبک ہو گیا مجھ پہ جو تھا غم دیا سنا جب سے ہے تم نے کیا مجھ کو مبتلا
نہیں حکم حق سے آدمی کو کہیں پناہ نہیں چلتا بس اس پہ جو خود منتخب کیا

اس کی مثال ایسے ہے کہ کوئی آدمی اندھیری کوٹھری میں ہو اس کے کوئی چیز آ کر لگے مگر یہ نہیں معلوم کہ مارنے والا کون ہے جب روشنی ہوئی تو دیکھتا ہے کہ اس کا شیخ ہے، یا باپ، یا حاکم ہے، پس بے شک اس کا یہ جاننا ایسے مقام پر اس کے صبر کا موجب ہوگا۔

سبب دوم: کہ دروازہ فہم کا کشادہ ہو جانا قبول احکام پر معین ہو جاتا ہے جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر کوئی حکم وارد فرماتا ہے اور دروازہ فہم کا اس پر کشادہ کر دیتا ہے تو یہ بات بتلا دیتا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس حکم کے قبول کرنے کو چاہتا ہے اور یہ اس طرح ہے کہ فہم تجھ کو خدا کی طرف کھینچتی ہے اور اس کی طرف ترغیب دیتی ہے اور اس پر توکل کرا دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کو کافی ہے۔

اور غیروں پر اس کی مدد فرماتا ہے اور اس کی رعایت فرماتا ہے کیونکہ جو اللہ

کی طرف سے فہم ہو گی وہ راز عبودیت کو منکشف کر دے گی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الیس اللہ بکاف عبدہ کیا نہیں اللہ کافی اپنے بندے کو اور ان دس اسباب کا حاصل یہی فہم ہے اور سب اسی کی قسمیں ہیں۔

سبب سوم: یہ کہ واردات عطایا برداشت بلیات پر معین ہوتی ہیں، یہ ایسے ہے کہ جو عطا میں تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہو چکی ہیں ان کا یاد کرنا اللہ تعالیٰ کے احکام قبول کرنے میں معین ہوتا ہے کیونکہ جیسے اس نے تم کو بہت سی محبوب نعمتیں دیں تجھ کو چاہیے کہ اس کے محبوب احکامات پر صبر کرے کیا تم نے یہ ارشاد نہیں سنا:

اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا

پس اللہ تعالیٰ نے ان کی مصیبت میں تسلی اس چیز سے دی جو ان کے ہاتھ آئی تھی۔

یہ تحریر تو عطایائے سابقہ میں ہے بھی خود بلا کے وارد ہونے کے وقت اس کے ساتھ ایسی چیز مقترن ہوتی ہے جو اس بلا کو بندگان مقربین پر خفیف کر دیتی ہے، ایک اس میں سے یہ ہے کہ اس بلا میں جو ثواب عظیم ذخیرہ رکھا ہے اس کو کھول دیتا ہے یا پھر ان کے قلوب پر استقلال اور سکون نازل کر دیتا ہے، ایک اس میں یہ ہے کہ اس پر دقائق لطف وارد فرماتا ہے اور منتیں نازل فرماتا ہے، یہاں تک کہ بعض صحابہؓ اپنے مرض میں فرماتے تھے تنگی کو اور سخت کر دے اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ میں ایک بار بیمار ہوا میں چاہتا تھا کہ یہ بیماری نہ جائے کیونکہ مجھ پر اس میں اللہ کی امداد ہوئی اور غیب منکشف ہوا اور اس کے سبب میں پاس قیام کرنے کا ایک اور موقع ہے۔

سبب چہارم: یہ کہ مشاہدہ حسن اختیار کا تحمل تقدیرات پر قوت دے دیتا ہے اس طرح سے جب بندہ اس کے حسن اختیار کو اپنے لئے مشاہدہ کر لیتا ہے، یقیناً جان لیتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دکھ دینا نہیں چاہتا کیونکہ وہ اس پر بڑا مہربان ہے چنانچہ خود ارشاد فرماتا ہے: وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا اور رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کے پاس بچہ تھا، آپ نے صحابہؓ سے فرمایا: کیا تم خیال کرتے ہو کہ یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: نہیں یا

رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا: "جیسے اس کو اپنے بچے سے محبت ہے اللہ تعالیٰ کو اس
سے بھی زیادہ اپنے بندوں سے محبت ہے، مگر بعض دکھ تم پر ڈالتا ہے، کیونکہ ان پر
فضل و انعام مرتب ہوتا ہے" کیا تم نے یہ ارشاد نہیں سنا: انما یوفی الصابرون
اجرهم بغیر حساب. کہ پورے دیئے جاتے ہیں صبر کرنے والے اپنا اجر بے شمار
اور اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو ان اختیار کے حوالے کر دیتا تو اس کے متعدد وسائل سے
محروم رہتے اور بہشت میں داخل نہ ہو پاتے پس اس کا شکر ہے حسن اختیار پر، کیا تم
نے سنا نہیں ارشاد حق تعالیٰ کا: عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى
اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ. شاید ناپسند کرو تم کسی چیز کو اور وہ بہتر ہو تمہارے
لئے اور شاید کہ پسند کرو تم کسی چیز کو اور وہ بری ہو تمہارے لئے۔ مشفق باپ اپنے
بچے کو پچھنے لگانے والے کو لاتا ہے اور دکھ پہنچانا مقصود نہیں ہوتا اور جیسے خیر خواہ
طبیب کہ تیز تیز مرہموں سے تجھ کو رنج پہنچاتا ہے گو ان مرہموں سے تجھے تکلیف ہو
اور اگر وہ تیرے اختیار کا اتباع کرے تو شفا کوسوں دور بھاگے اور جس کو کوئی چیز نہ
دی جائے اور وہ یہ پاتا ہو کہ یہ نہ دینا محض شفقت کے باعث ہے تو یہ نہ دینا ہی اس
کیلئے دینا ہے، جیسے مہربان ماں اپنے بچوں کو بد ہضمی کی وجہ سے زیادہ کھانے کو نہیں
دیتی۔ اسی لئے شیخ ابوالحسن نے فرمایا ہے کہ اس کو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تم کو اگر کوئی چیز
نہیں دیتا تو یہ نہ دینا بوجہ بخل نہیں بلکہ محض رحمت ہے پس اللہ تعالیٰ کا نہ دینا بھی دینا
ہے لیکن اس بات کو وہی سمجھتا ہے جو صدیق ہو اور ہم نے ایک اور کتاب میں ثابت
کیا ہے کہ جب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بلا میں مبتلا کیا ہے تو بلا کا الم کم ہو
جاتا ہے، جیسا جس کی طرف سے تجھ پر یہ احکام تقدیری متوجہ ہوتے ہیں، وہی تو ہے
جو تیرے حق میں حسن اختیار رکھتا ہے۔

سبب چہارم: یہ کہ اس کے علم کا اتحاد اس کے حکم پر صابر بنا دیتا ہے، وہ اس
طرح کہ جب بندہ یقین کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس بلا میں مبتلا کیا ہے وہ اس
پر مطلع بھی ہے تو بلا کا تحمل سہل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

طرح اگر اہل جنت سے حجاب کرے تو کوئی نعمت ان کو اچھی نہ لگے، عذاب اصل میں وجود حجاب ہے اور انواع عذاب اس کے مظاہر ہیں اور نعیم ظہور اس کی تجلی سے ہے اور انواع نعیم اس کے مظاہر ہیں۔

سبب تیم: کہ تعریف کے وارد ہونے نے بار تکلیف اٹھانے پر قوت دے دی اور یہ اس طرح ہے کہ تکالیف تو بندوں پر بے شک شاق ہیں اور اس میں یہ امور سب داخل ہیں۔

۱۔ بجالانا احکام کا۔

۲۔ نواہی سے باز رہنا۔

۳۔ احکام پر صبر کرنا۔

۴۔ اور انعامات پر شکر کرنا۔

یہ چار چیزیں ہوئیں ۱۔ اطاعت ۲۔ معصیت ۳۔ نعمت ۴۔ بلا اور پانچویں کوئی چیز نہیں اور ان چاروں میں جدا جدا تیرے ذمے حق تعالیٰ کا حق عبودیت ہے کہ بمقتضائے ربوبیت تجھ سے اس کا تقاضا کرتا ہے یعنی اس کا حق اطاعت میں تو تیرے ذمہ یہ ہے کہ اس کا احسان مشاہدہ کرے اور معصیت میں یہ حق ہے کہ اس میں جو کچھ ضائع کیا ہے اس سے استغفار کرے اور بلا میں یہ حق ہے کہ اس پر صبر کرے اور نعمت میں یہ حق ہے کہ اس پر شکر کرے اور یہ تمام بار فہم کی بدولت اٹھ سکتے ہیں۔ جب تم نے یہ سمجھ لیا کہ اطاعت کا نفع تجھ ہی کو ملے گا اس پر قیام کرنا آسان ہو جائے گا، جب یہ جان لیا کہ معصیت پر اصرار کرنا اور گناہ میں پڑنا آخرت میں عقاب الٰہی اور دنیا میں زوال نور ایمان کا باعث ہے، یہی موجب ترک ہو جائے گا۔ اور جب یہ یقین ہو گیا کہ صبر کا پھل تجھ کو ملے گا اور اس کی برکت تیری طرف آئے گی تو ضرور اس کی طرف دوڑے گا اور اس کا سہارا پکڑے گا، اور جب یہ اعتقاد کر لیا کہ شکر کی بدولت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت بڑھے گی کیونکہ اس کا فرمان ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ یہ جب ہو گا صبر بر دوام اور آمادگی

کرنے کا اور ان چاروں میں کلام وسیع کریں گے اس کیلئے جلدی فصل مقرر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سبب دوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے احکام تقدیری میں جو کچھ اپنا لطف و احسان پوشیدہ کیا ہے جب ان لوگوں کو اس پر اطلاع ہوتی ہے تو صبر آ جاتا ہے یا اس طرح کہ ناگوار چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے اوبار کو امانت رکھا ہے کیا تم نے سنا نہیں فرماتا اللہ تعالیٰ کا: عَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا شَيْـًٔا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اور فرماتا ہے رسول اللہ ﷺ کا کہ جنت ناگوار چیزوں کے ساتھ اور دوزخ شہوات سے گھیری گئی ہے اور بلیات و امراض اور فاقوں میں اس قدر اسرار الطاف ہیں کہ ان کو سوائے اہل بصیرت کے کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا تم نے خیال نہیں کیا بلاؤں سے نفس دب جاتا ہے اور ذلیل ہو جاتا ہے اور اپنے حظوظ کی خواہش سے مدہوش ہو جاتا ہے ور بلاؤں کے ساتھ ذلت ہے اور ذلت کے ساتھ نصرت فرمایا اللہ تعالیٰ نے: وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ اور اس میں زیادہ گفتگو کرنے سے مقصود کتاب سے علیحدہ ہوئے جاتے ہیں۔ اس سے پھر آیت کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں اور وہ آیت یہ ہے: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ اجانا چاہتے ہیں کہ تین احوال ہیں ۱۔ قبل تحکیم ۲۔ بعد تحکیم ۳۔ عین حالت تحکیم، پس قبل تحکیم میں عبودیت یہ ہے کہ تحکیم کریں اور عین تحکیم اور بعد تحکیم میں عبودیت یہ ہے کہ اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اگر کوئی اعتراض کرے کہ تنگی نہ پانا تو حاکم بنانے کو لازم ہے جواب دیا جائے گا کہ یہ ضروری نہیں کہ جو حاکم بنائے تو وہ تنگی بھی نہ پائے کبھی ظاہر میں حاکم بناتا ہے لیکن دل میں کراہت موجود ہوتی ہے۔ پس بالضرور تحکیم کے ساتھ فقدان حرج اور وجود تسلیم کو ملانا چاہیے، اگر کوئی اعتراض کرے جب تنگی نہ پائی تو تسلیم کر لیا پھر اس کہنے سے کیا فائدہ ہوا۔ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اس کا جواب یہ ہے کہ جمیع امور میں تسلیم کر لیں اگر کوئی کہے۔ یہ تو حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ سے لازم آ گیا جواب یہ ہے تحکیم کو مطلق نہیں لائے بلکہ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ کے ساتھ مقید کیا گیا پس یہ آیت تین امر کو شامل ہوئی ایک حاکم بنانا

ایسا نہیں ہوتا اور اس کو یہ شایاں نہیں کیونکہ تم نے اس کو اس کا مالک نہیں کیا پھر اس کو
معزول کیا اس قول سے فلِلّٰہِ الْاٰخِرَۃُ وَالْاُوْلٰی یعنی جب دنیا اور آخرت دونوں ہی
اللہ کے ہوئے تو انسان کا کچھ نہ ہوا تو اس کو مناسب نہیں کہ غیر کی ملک میں تدبیر
کرے البتہ دارین کی تدبیر کرنا اس ذات کو زیبا ہے جو ان دونوں کا مالک ہے اور وہ
فقط اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ فرمانا رسول اللہ ﷺ کا ذاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ اس میں دلیل ہے
کہ جو ایسا نہ ہوگا ایمان کی حلاوت اور ذوق نہ پائے گا اس کا ایمان ایک صورت بے
جان اور ظاہر بے معنی اور نقش بے حقیقت ہوگا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو
قلب امراض غفلت اور ہوا سے سالم ہیں وہ لذیذ معانی سے مزے لیتے ہیں جیسے تمام
نفوس لذیذ کھانوں سے خوش ہوتے ہیں اور ایمان کا مزہ وہی چکھے گا جو اللہ کے رب
ہونے پر راضی ہو کیونکہ جب اس کے رب ہونے پر راضی ہوگا اس کے آگے گردن
جھکا دے گا اس کے حکم کا مطیع ہوگا اپنا اختیار اس کے حوالے کرے گا اس کے حسن
تدبیر و اختیار کے روبرو اپنا اختیار اور تدبیر چھوڑ دے گا اس وقت لذت عیش اور
راحت تفویض دیکھے گا اور جب یہ اس سے راضی ہوگا۔ رب بنانے میں اس کے لئے
اُدھر رضا ہوگی جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔

اور جب اس بندے کو اللہ سے رضا ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کی حلاوت پیدا کرتا ہے
تا کہ اللہ تعالیٰ کی منت و احسان کو جانے اور یہ رضا باللہ بغیر فہم کے نہیں ہوتی اور فہم
بغیر نور کے نہیں ہوتا اور نور بغیر قرب کے نہیں ہوتا اور قرب بغیر عنایت کے نہیں ہوتا۔

پس جب عنایت اس بندے کی طرف متوجہ ہوئی تو یہ تمام باتیں خزانہ غیب
سے اس بندے پر ظاہر ہوتی ہیں۔ پس جب غیبی امدادیں اور انوار اس پر پے در پے
آتے ہیں اس کا قلب امراض و اسقام سے صحت پاتا ہے تو صحیح الادراک ہو جاتا
ہے یعنی ایمان کی لذت اور حلاوت کا ادراک بوجہ صحت ادراک و سلامت ذوق کے

ہے، اور اگر بیماری غفلت عن اللہ میں اس کا قلب مبتلا ہوتا تو اس کا ادراک میسر نہ ہوتا کیونکہ بیمار والا اکثر اوقات شکر کا مزہ تلخ پاتا ہے اور حالانکہ واقع میں ایسا نہیں۔

پس جب امراض زائل ہو جاتے ہیں حقائق اشیاء کو دریافت کرتا ہے پس پالیتا ہے حلاوت ایمان ولذت واطاعت کو اور تلخی قطع تعلق اور مخالفت کو پھر اور جب حلاوت ایمان کو پائے گا تو اس پر خوش ہوگا، اور اس میں اللہ کا احسان مشاہدہ کرے گا اور ان اسباب کو طلب کرے گا جن سے ایمان محفوظ رہے اور حاصل ہوا۔ اور جب لذت اطاعت کو پائے گا تو اس پر دوام کرے گا اور اس میں اللہ کا احسان مشاہدہ کرے گا، اسی طرح جب تلخی کفران ومخالفت کو پائے گا تو ضرور ہے کہ اس کو ترک کرے گا اور اس سے نفرت کرے گا اور اس کی طرف مائل نہ ہوگا۔

پس یہ باعث ہو جائے گا ترک گناہ کا اور اس کی طرف متوجہ نہ ہونے کا، اور دونوں مفہوم جدا جدا ہیں، اور یہ نفرت گناہ سے اس لئے ہوگی کہ نور بصیرت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی مخالفت اور اس سے غافل ہونا قلوب کے حق میں زہر قاتل ہے۔

پس مومنین کے قلوب میں اللہ کی مخالفت سے ایسی نفرت ہو جاتی ہے۔ جیسے تم کو زہر آلود کھانے سے نفرت ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

رضیت وبالاسلام دینا اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو۔

کیونکہ جب اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوا تو اپنے آقا کی پسندیدہ اور مختار چیز پر راضی ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

یعنی بے دین حق اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔

اور فرمایا۔

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ

جو شخص ڈھونڈے سوائے اسلام کے کوئی اور دین، ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اور فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

یعنی بے شک اللہ نے برگزیدہ کیا تمہارے لئے دین پس مرنے نہ پاؤ تم مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

---- جب اسلام کے دین بنانے پر راضی ہوگا تو لازم ہے کہ اوامر کو مانے گا اور نواہی سے باز رہے گا اچھی باتیں دوسروں کو بتائے گا اور بری باتوں سے منع کرے گا اور جب کسی ملحد کو دیکھے گا کہ غیر دین کو دین میں شامل کرنا چاہتا ہے تو اس کو جوش پیدا ہوگا اور برہان معز پاشی کرے گا اور قوت بیانیہ سے اس کی بیخ کنی کرے گا اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے وبمحمد نبیا یعنی محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہو پھر اس کو لازم ہے کہ آپ کا محب ہو اور آپ کے آداب اخلاق اختیار کرے۔

دنیا سے بے رغبت ہونے میں اس سے علیحدگی کرنے میں لوگوں کی خطاء سے درگزر کرنے میں جو اس سے برائی کرے اس اسے معاف کرنے میں اور اس کے سوا جتنے امور ہیں سب میں آپ کا اتباع ہو کہنے میں، کرتے میں، اختیار کرنے میں، ترک کرنے میں، بیت میں، بغض میں، ظاہر میں، باطن میں، پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگا اس کے آگے گردن جھکا دے گا جو اسلام سے راضی ہوگا اس کے مطابق عمل کرے گا جو رسول اللہ ﷺ سے راضی ہوگا آپ کی متابعت کرے گا اور ان تینوں باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہوتی جب تک سب نہیں کیونکہ یہ امر محال ہے کہ اللہ کے رب ہونے پر تو راضی ہو اور اسلام کے دین ہونے پر راضی نہ ہو یا اسلام کے دین ہونے پر تو راضی ہو اور رسول اللہ ﷺ کے نبی ہونے پر راضی نہ ہو۔ اور ان سب کا لازم و ملزوم ہونا ظاہر ہے کہ کچھ مخفی نہیں۔

نو مقامات یقین: جب یہ بیان ہو چکا تو اس بات کو جان کر کہ مقامات یقین کے نو ہیں۔ ۱۔ توبہ، ۲۔ زہد، ۳۔ صبر، ۴۔ شکر، ۵۔ خوف، ۶۔ رضا، ۷۔ رجاء، ۸۔ توکل، ۹۔ محبت اور کوئی مقام ان میں سے بغیر ختم کرنے ساقط کرنے کے تدبیرو

اختیار صحیح نہیں ہوتا۔

تدبیر سے توبہ: اس طرح کی توبہ کرنے والے کو جیسا اپنے گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے ایسے ہی پروردگار کے سامنے اپنی تدبیر سے بھی توبہ کرنا واجب ہے، کیونکہ تدبیر اور اختیار قلوب کے کبیرہ گناہوں میں سے ہیں اور توبہ کے مستحق ہیں یعنی ترک کرنا ان تمام امور سے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور تدبیر بھی اللہ کو پسند نہیں کیونکہ وہ شرک ہے ربوبیت (خدا کے پالن ہار ہونے) میں اور کفران ہے نعمت عقل کا اور وہ فکر کو اپنے بندوں کیلئے پسند نہیں فرماتا اور ایسے آدمی کی توبہ بھی درست نہ ہوگی کہ تدبیر دنیوی میں مبتلا ہے اور اپنے آقا کے حسن رعایت سے غافل ہے۔

زہد کا صحیح طریقہ: اسی طرح زہد ٹھیک نہیں ہوتا جب تک کہ تدبیر سے علیحدگی نہ کرے کیونکہ جن چیزوں سے خارج اور بے رغبت ہونے کا حکم ہے ان میں سے تدبیر بھی ہے کیونکہ زہد دو طرح کا ہے ایک زہد ظاہر اور ایک زہد مخفی۔ زہد ظاہر یہ ہے کہ جو چیزیں کھانے پینے پہننے وغیرہ کی ضرورت سے زائد ہیں ان کی رغبت نہ رہے اور زہد مخفی یہ ہے کہ سرداری اور مشہوری کی محبت نہ ہو، اسی کی قسم سے ہے زہد کرنا تدبیر میں اللہ کے ساتھ۔

تدبیر اور صبر و شکر: کسی طرح صبر و تحمل تدبیر کو چھوڑے بغیر ٹھیک نہیں ہوتا کیونکہ صبر روکنا ہے جو اللہ کی ناپسند چیزوں سے صبر کرے اور اللہ کی ناپسند چیزوں میں تدبیر و اختیار بھی ہے کیونکہ صبر کی تین قسم ہیں۔ ایک صبر کرنا حرام چیزوں سے، دوسرا صبر کرنا واجبات پر، تیسرا صبر کرنا تدبیر و اختیار سے خواہ کسی طرح کی ہو۔ اور یہ بھی کہ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک صبر کرنا نفس کی لذتوں سے، دوسرے صبر کرنا لوازم عبودیت پر اور لوازم عبودیت سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے ... اسی طرح شکر ٹھیک نہیں ہوتا مگر اسی آدمی کیلئے جو تدبیر کو اللہ کے سپرد کر کے ترک کرے کیونکہ شکر کے معنی ابوالقاسم جنیدؒ کے یہ ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی کا ذریعہ نہ بنانے اور اگر انسان کو عقل نہ ہوتی جس کی بدولت تم نے انسان کو ممتاز کیا اور اس کو اس کے مقابل

کا سبب ٹھہرایا تو پھر کوئی تدبیر نہ کرتا۔ کیونکہ جمادات اور حیوانات کچھ تدبیر نہیں کرتے کیونکہ انہیں کو عقل نہیں دی گئی جس کا کام ہے انجام کو دیکھنا اور اس کا اہتمام کرنا۔

ف: یعنی ایسی نعمت عقلی یعنی عقل کو تو نے اس کی نافرمانی یعنی تدبیر کا ذریعہ ٹھہرایا۔

تدبیر اور امید و بیم

تدبیر کرنا مقام خوف و رجا کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب خوف کا قلب پر غلبہ ہوتا ہے تو اس کو اس قدر چین نہیں لینے دیتا کہ تدبیر کرے اور رجا کا بھی یہی حال ہے کیونکہ امید کرنے والے کا دل تو خوشی سے بھرا رہے گا اور اس کے اوقات اس کے معاملے میں مشغول ہوں گے کون سے وقت میں تدبیر کی گنجائش ہوگی۔

تدبیر اور توکل: تدبیر کرنا مقام توکل کے بھی خلاف ہے کیونکہ متوکل تو وہ ہے جو اپنا کل اختیار اس کے حوالے کردے اور تمام امور میں اس پر اعتماد کرے پس اس کے لوازم میں سے ہے تدبیر نہ کرنا اور حق کے احکام کیلئے گردن جھکا دینا اور ترک تدبیر کا تعلق مقام توکل اور رضا کے ساتھ بہ نسبت تعلق دوسرے مقامات کے زیادہ ظاہر ہے۔

تدبیر اور مقام محبت: تدبیر کرنا مقام محبت کے بھی خلاف ہے کیونکہ عاشق اپنے محبوب کے عشق میں مستغرق ہے اور اس کا تمام مطلوب یہ ہے کہ اس کے روبرو اپنے ارادے سے دست بردار ہو جائے اور عاشق کو کسی وقت بھی تدبیر کی گنجائش نہیں کیونکہ اس کو اللہ کی محبت نے اس سے غافل کر رکھا ہے اس واسطے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے جس نے اللہ کی خالص محبت کا کچھ بھی مزہ چکھ لیا اس نے ما سوا سے اس کو غافل کر دیا۔

تدبیر اور مقام رضا: تدبیر کرنا مقام رضا کے بھی خلاف ہے اور یہ بہت ظاہر ہے اس میں کچھ اشکال نہیں اور یہ اس لئے ہے کہ جس کو مقام رضا حاصل ہے وہ اللہ کی تدبیر پر بس کرے گا، پھر وہ کیوں تدبیر کرے گا کیا اس کی تدبیر پر تو

راضی ہو چکا۔ کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ نور رضا قلوب سے تدبیر کا میل کچیل دھو ڈالتا ہے پس رضا وا از نور رضا سے اس کے احکام میں خوش ہے اور اللہ کے روبرو دیکھ کر تدبیر نہیں کرتے اور غلام کیلئے اس کے آقا کا حسن اختیار ہی بہت ہے سمجھ لو۔

فصل: جاننا چاہیے کہ ترک تدبیر و اختیار کے اسباب چند باتیں ہیں اول تو یہ اعتقاد کہ اللہ نے تیرے لئے پہلے سے تدبیر کر رکھی ہے اور اس کو اس طرح سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تیرا اس وقت بھی تھا جب کہ تو بھی اپنا نہ تھا۔ پس جیسے اس نے تیرے ہونے سے پہلے تیرے لئے تدبیر فرمائی تھی ویسے ہی تیرے ہونے کے بعد بھی تدبیر کر سکتا ہے۔ پس تو اس کے ساتھ ایسا رہ جیسا پہلے تھا، وہ بھی تیرے ساتھ ویسا ہی رہے گا جیسا پہلے تھا۔ اسی لئے حسین حلاجؒ نے دعا کی کہ میرے لئے ایسا ہو جا جیسا میرے نہ ہونے کے وقت تھا۔ حاصل دعا یہ ہے کہ میرے وجود کے بعد میری تدبیر فرما جیسا میرے وجود سے پہلے میری تدبیر فرماتا تھا کیونکہ وجود سے پہلے اللہ کے علم میں بندے کی تدبیر ہو چکی ہے اور اس کا کہیں وجود بھی نہ تھا کہ وہ کوئی تدبیر کرتا اور اس وجہ سے اس کی نصرت نہ ہوتی اگر کوئی اعتراض کرے کہ قبل وجود تو معدوم محض تھا پس تدبیر کیسے اس کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یوں آتا ہے کہ تمام اشیاء علم الٰہی میں موجود ہیں اگرچہ خارج میں ان کا وجود نہ ہو پس اللہ تعالیٰ ان کے وجود علمی کے مرتبے میں ان کی تدبیر فرماتا ہے اور یہ مسئلہ بہت غور طلب ہے اور یہ موقع اس کی تفصیلی بحث کا نہیں۔

اللہ کی تدبیریں بندوں کیلئے

ترک تدبیر پہلی جہت: جاننا چاہیے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ ہر طرح تیری تدبیر کا ذمہ دار ہوا اور ان معاملات میں تیری ایجاد کا انتظام فرمایا یوم میثاق میں تیرے لئے تدبیر فرمائی جس روز پوچھا گیا کیا میں تمہارا رب نہیں، سب بولے کیوں نہیں، اس وقت تیرے لئے یہ تدبیر فرمائی کہ تجھ کو اپنی شناخت دی جب تو نے اس کو پہچانا اور تجھ

گویا تجلی جھلک دکھلائی تو اس کا مشاہدہ بھی تجھ کو کرا دیا گیا، تیرے دل میں اپنی ربوبیت کا
اقرار ڈالا تب تو نے اس کی توحید کی۔ اس کے بعد تجھ کو نطفہ بنایا جو باپ دادا کی پشت
میں امانت تھا، اور اس مقام پر تیری تدبیر کا سامان کیا، تیری حفاظت کی، جس جگہ تو رہا
اس کی حفاظت کی، جس شخص میں تو رہا اس کے ذریعہ سے برابر تجھ کو مدد پہنچتی رہی
یہی سلسلہ آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے، پھر تجھ کو ماں کے رحم میں ڈالا وہاں تیرے
کام بنائے اور رحم قابلیت رکھ کر اس کو ایک زمین بنایا جس میں تو پھولے پھلے اور اس
کو ایک محل امانت بنایا جس میں تجھ کو زندگی ہو پھر دونوں نطفوں کو جمع کیا، دونوں کو
ملایا پھر تو دونوں سے بنا، اس کا سبب حکمت الٰہی ہے، تیرے پورے وجود کا تعلق
میاں بیوی کے ملنے سے ہوا تو یہ محض اللہ کی حکمت ہے ورنہ میاں بیوی کے ملنے سے
تیرا وجود ضروری نہیں تھا۔ پھر نطفے کے بعد تجھ کو علقہ یعنی خون بستہ بنایا۔ جس میں
صلاحیت اس صورت کی رکھی جو اس کے بعد پیدا کرنا منظور ہے پھر علقے کے بعد
مضغہ بنایا پھر مضغے میں تیری صورت نقش کی اور تیری بنیاد قائم فرمائی پھر اس کے بعد
تیرے اندر روح پھونکی پھر ماں کے رحم میں خون حیض سے تجھ کو غذا دی گئی تیرے
وجود میں آنے سے پہلے تیرا رزق جاری فرمایا پھر تجھ کو ماں کے رحم میں باقی رکھا
یہاں تک کہ تیرے اعضا قوی ہو گئے اور ہاتھ پاؤں مضبوط ہو گئے تاکہ تو ایسی جگہ
آنے کے قابل ہو جائے جہاں تیرا نفع و نقصان ہے اور جو کہ تجھ کو ایسے گھر کی طرف
لانے جس میں تجھ کو اپنے فضل و عدل کے ساتھ اپنی شناخت کرائے پھر جب تجھ کو
زمین کی طرف لایا تو اس کو معلوم تھا کہ تو سخت چیزیں نہیں کھا سکتا اور نہ تیرے دانت
ہیں اور نہ داڑھ جن سے تو کھانے میں کام لے سکے پس ماں کی چھاتیوں میں لطیف
غذا جاری فرمائی اور ان پر جوش دینے والی مہربانی ماں کے دل میں مسلط کی جہاں
دودھ نکلنا موقوف ہوا اس ماں کی محبت نے اس کو جوش دیا جوش دینے والا بھی کیسا جو
کبھی سست نہیں ہوتا ایسا مستعد جو کبھی بند نہیں ہوتا، پھر ماں باپ کو اس کام میں لگا دیا
کہ تیرے فائدے کی چیزیں حاصل کریں اور تجھ پر شفقت کریں اور تجھ کو محبت کی نگاہ

سے دیکھیں اور یہ بڑی شفقت ہے جس کو تیری طرف اور دوسری شخصوں کی طرف بھیجنے میں ماں باپ کو مظہر قرار دیا تاکہ صفت ربوبیت والی محبت سے اللہ کو پہچان لے اور حقیقت میں اس کی ربوبیت کے سوا تیرا کوئی کفیل نہیں اور اس کی ربوبیت کے سوا کوئی پرورش کرنے والا نہیں پھر باپ کے ذمے لازم ٹھہرایا کہ وقت بلوغ تک تیری خبر گیری کرے اور اپنی عنایت سے یہ اس پر واجب کر دیا پھر کمال فہم تک تجھ کو مرفوع القلم (جوان ہونے تک غضب سے محفوظ) فرما دیا اور یہ بلوغ کا وقت ہے پھر تب سے ادھیڑ ہونے تک اپنی عطاء وفضل کو موقوف نہیں کیا پھر جب تو بڑھاپے کو پہنچے گا پھر جب تو مریگا پھر جب قیامت میں زندہ ہوگا پھر جب تجھ کو اپنی روبرو کھڑا کرے گا پھر جب اپنی عتاب سے تجھ کو بچائے گا پھر جب تجھ کو بہشت میں داخل کریگا۔ پھر جب اپنے پردہ تیرے سامنے سے اٹھا دے گا اور اپنے اولیاء اور احباء (دوستوں) کی مجلس میں تجھ کو بٹھلانے کا فرمایا ہے سبحانہ وتعالیٰ نے کہ متقی لوگ ہوں گے بہشتوں میں اور نہروں میں سچی مجلس میں قدرت والے بادشاہ کے پاس۔ یعنی سب جگہ تجھ پر فضل رہا ہے بس تو اس کے کس کس احسان کا شکر کر سکتا ہے اور کون کون سی نعمتوں کو ذکر میں لا سکتا ہے اور یہ ہے ارشاد اللہ تعالیٰ کا:

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ

یعنی جو کچھ نعمتیں تمہارے پاس ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ تو اس کے احسان سے نہ کبھی نکلا ہے نہ نکلے گا اور اس کا فضل واحسان تجھ سے کبھی جدا نہ ہوگا اور اگر اپنے تغیر حالات کا معلوم کرنا منظور ہو تو یہ ارشاد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا پڑھ لو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ

اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ تُبْعَثُوْنَ ۝

ترجمہ: یعنی بیشک پیدا کیا ہم نے آدمی کو نکالی مٹی سے پھر رکھا ہم نے اس کو نطفہ ٹھہرنے کی جگہ میں پھر پیدا کیا ہم نے نطفہ کو خون بستہ، پھر پیدا کیا ہم نے خون بستہ کو گوشت کی بوٹی، پھر پیدا کیا ہم نے بوٹی کو ہڈیاں پھر پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت پھر پیدا کیا ہم نے اس کو دوسری پیدائش (یعنی روح پھونکی) بڑی برکت والا ہے اللہ بہتر سب تجویز کرنے والوں کا پھر بیشک تم بعد اس کے البتہ مرنے والے ہو۔ پھر بیشک تم قیامت کے دن زندہ کئے جاؤ گے۔

اس آیت کی جھلک تجھ پر ظاہر ہوگی اور اس کی چمک تجھ پر پھیلے گی اور اس کا مضمون گردن جھکا دیئے اور توکل کرنے کو تجھ پر لازم ٹھہرا دے گا اور تدبیر کے ترک اور تقدیر کے ساتھ اعتراض نہ کرنے کی طرف تجھ کو کھینچ لے جائے گا اور توفیق دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

ترک تدبیر پر دوسری حجت: یہ جان لے کہ اپنے لئے تیرا تدبیر کرنا واقفی کی دلیل ہے اچھے فائدہ کی سوچنے سے کیونکہ ایمان والے کا اعتقاد ہے کہ جب وہ اللہ کے روبرو تدبیر کو ترک کر دیتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس کیلئے بھلی تدبیر فرما دیتا ہے اللہ کا فرمان ہے:

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ.

یعنی جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کیلئے کافی ہے۔

پس تیری تدبیر یہی ہے کہ تدبیر نہ کرے اور اپنی بڑی خیر خواہی یہی ہے کہ اس کی خیر خواہی کی فکر نہ کرے اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے قول کو سمجھو کہ: "آؤ گھروں میں ان کے دروازوں سے" یعنی تدبیر کا دروازہ اللہ کی طرف سے یہی ہے کہ اپنے لئے تدبیر نہ کرو۔

تیسری حجت: تیسرا امر یہ ہے کہ جان لو کہ یہ ضروری نہیں کہ تقدیر تیری تدبیر کے موافق جاری ہوا کرے بلکہ اکثر وہی بات ہوتی ہے جس کی تو تدبیر نہیں کرتا اور

بہت کم ہوتا ہے جس کی تو تدبیر کرتا ہے اور نفس سب ٹھکانے معاملات نہیں بنا پاتیں
تیری تدبیریں کہاں پوری ہونے پاتی ہیں کی تقدیر تو ان کو اکثر ہی پوری ہونے سے
روک رہی ہے۔

تمہارے کب دو چوری ہوتی تو اس کو ہٹاتا ہو کر دوسرا لیا جا کر وہ اس کو گراتا ہو۔

اور جس حالت میں تیری طرف سے تو تدبیر ہو اور تقدیر برخلاف تیری تدبیر
کے جاری ہوتی ہو تو ایسی تدبیر سے کیا فائدہ جس کی سابقت تقدیر نہ کرے اور تدبیر تو
اسی کو سزاوار ہے جس کے ہاتھ میں تقدیر کی باگ ہے جس لئے کہا گیا ہے۔

پایا میں نے تقدیر کو جب کارگر اور نہیں کوئی اس میں شک ذرا بھی
کر لیا اعتقاد خالق ہے خود چلا جس طرف وہ ہو جاری

<u>چوتھی بحث:</u> یہ ہے کہ جان تو کہ اللہ کی ذات وہ ہے اپنی تمام سلطنت کی
تدبیر کا اس کی بلندی کا اس کی پستی کا اس کے غائب کا اس کی شہادت کا اور جیسا
عرش و کرسی اور آسمان و زمین میں اس کی تدبیر کو تم نے تسلیم کر لیا اسی طرح اپنے وجود
میں بھی اس کی تدبیر کو تسلیم کرو کیونکہ تیرے وجود کی نسبت ان عالموں کے ساتھ ایسی
ہے کہ تیرا پتہ بھی نہ لگنے دیتا، جیسے کہ سات آسمانوں اور ساتوں زمین کی نسبت
کرسی کے ساتھ ایسے ہے جیسے کسی چٹیل میدان میں ایک حلقہ پڑا ہو اور کرسی اور
ساتوں آسمان اور ساتوں زمین عرش کے ساتھ یہی نسبت رکھتے ہیں پھر تو بیچارہ
اس کے مقابلے میں کیا چیز ہے۔ پس تیرا اپنے نفس کی فکر کرنا اور اس کے لئے تدبیر کرنا
بالکل غلط ہے واقعی یہ بلکہ بات یہ ہے کہ جیسے خدا تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ

یعنی انہوں نے اللہ کی قدر جیسی اس کی قدر کرنا چاہیے تھی۔

پس اگر بندہ اپنے رب کو پہچان لے تو اس کے آگے تدبیر کرتا ہو شرما جاوے
تجھ کو جو اللہ تعالیٰ سے آڑ ہے اسی نے تجھ کو دریا کے تدبیر میں پھینکا ہے کیونکہ اہل
یقین کی جب بینائی (دل) سے جو پردہ اٹھا تو انہوں نے دیکھا کہ ہماری تدبیر تو کوئی

اور کر رہا ہے ہم خود کچھ تدبیر نہیں کر سکتے اور ہم میں کوئی دوسرا تصرف کر رہا ہے ہم خود کوئی تصرف نہیں کر سکتے، اور ہم کو کوئی دوسرا حرکت دے رہا ہے ہم خود کو کوئی حرکت نہیں دے سکتے، اسی طرح سکان عالم بالا (آسمانوں پر رہنے والے) مشاہدہ کر رہے ہیں اس کے ظہور قدرت کا اور نفوذ ارادے کا اور مقدورات کے ساتھ قدرت مراد کے ساتھ ارادے کے متعلق ہونے کا اور اسباب ان کی نگاہ میں سب بے طرف ہیں اس لئے وہ دعویٰ سے پاک ہیں کیونکہ ان کو معاینہ اور مواجہہ حاصل ہے اسی لئے حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا۔

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ

یعنی ہم وارث ہیں زمین کے اور جو اس کے اوپر بستے ہیں اور سب ہماری طرف پھیرے جائیں گے۔

اس میں ملائکہ کا ذکر نہیں ہے اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے جو ان کو عنایت کیا وہ اس میں مدعی نہیں اور جو ان کی طرف منسوب کیا اس میں وہ خود نسبت کرنے والے نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یوں فرماتے:

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَالسَّمَآءَ

بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو نسبت ہے اور اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کی عظمت سے حیران ہیں یہ امور ان کو مانع ہیں کہ وہ کسی غیر کی طرف میلان کریں، پس جیسا آسمان اور زمین کے مقدمے میں اللہ کی تدبیر کو تسلیم کر لیا ہے اسی طرح اپنے وجود میں بھی تسلیم کر لے کیونکہ آسمان زمین کی خلقت تو بہر حال انسان کی خلقت سے بڑی ہی ہے۔

<u>پانچویں حجت</u>: یہ ہے کہ جان لے کہ تو اللہ کی ملک ہے اور تجھ کو ایسی چیز کی تدبیر کرنے کا حق نہیں پہنچتا جو غیر کی ملک ہو۔ جو چیز تیری ملک میں نہیں تجھ کو اس کی تدبیر کا کوئی استحقاق نہیں اور جو چیز تیری ملک میں ہے اس میں جب کوئی تجھ سے کوئی منازعت نہیں کرتا اور حالانکہ تیری ملک صرف اس کے مالک بنانے سے ہوئی اور

تیری ملک حقیقی نہیں صرف ایک نسبت شرعی ہے جو تیری ملک کا موجب ہو گئی ہے نہیں کہ کوئی چیز تیرے وصف کے ساتھ قائم ہو گئی جس سے تو مالک بننے کا مستحق ہو گیا تو اللہ کے ساتھ اس کی ملک میں منازعت نہ کرنا تو زیادہ تر مناسب اور سزاوار ہے۔ خصوصاً جب کہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

یعنی اللہ نے مول لے لیا اہل ایمان سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس معاوضے میں کہ ان کیلئے جنت ہے۔

تو فروخت کرنے کے بعد تدبیر و منازعت کرنا مناسب نہیں کیونکہ جس چیز کو تو فروخت کر چکا ہے اس کا تسلیم کر دینا اور منازعت نہ کرنا تجھ پر واجب ہو چکا پھر اس میں تدبیر کرنا عقد بیع (خرید و فروخت کے وعدے) کو توڑنا ہے۔ میں ایک روز شیخ ابو العباس مرسیؒ کی خدمت میں گیا اور کسی قصے کی شکایت کی فرمانے لگے اگر تیرا نفس تیری ملک ہے تو اس کے ساتھ جو چاہے کر اور یہ تجھ سے ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ اور اگر اپنے پیدا کرنے والے کی ملک ہے تو اس کو تسلیم کر وہ جو چاہے کرے پھر فرمایا کہ: چین اسی میں ہے کہ اللہ کے سپرد کر دو اور تدبیر چھوڑ دو اور عبودیت کے یہی معنی ہیں۔

ابراہیم بن ادہمؒ کا واقعہ: ابراہیم بن ادہمؒ سے منقول ہے کہ میں ایک شب سو گیا اور میرا معمول قضا ہو گیا میں جاگا اور نادم ہوا۔ پھر تین دن ایسا سویا کہ فرض قضا ہو گیا جب بیدار ہوا ایک ہاتف کی آواز سنی کہ کہتا تھا:

ہر خطا سے کرتے ہیں ہم درگزر   مگر اعراض ہم سے سخت تر
رہ گئی تجھ سے جو طاعت بخشدی   رہ گیا جو اجر وہ ہے مدخر

پھر مجھ کو حکم ہوا اے ابراہیم بندہ بنا اور بندہ رہ بس میں بندہ بنا اور چین میں ہو گیا۔

چھٹی حجت: یہ جان لے کہ تو اللہ کا مہمان ہے کیونکہ دنیا اللہ کا گھر ہے اور تو وہاں آ کر اس کا مہمان ہوا اور مہمان کو سزاوار ہے کہ میزبان کے ہوتے ہوئے کوئی غم نہ پالے۔

نَحْنُ نَرْزُقُكَ ... الآیۃ

اور حکم کرتو اپنے گھر والوں کو نماز کا اور اس پر قائم رہ نہیں مانگتے ہم تجھ سے روزی ہم روزی دیں گے تجھ کو۔

یعنی تم ہماری خدمت کرو ہم اپنی روزی تم تک پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔

دسویں حجت: یہ ہے کہ تجھ کو انجام کار کی خبر نہیں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی بات میں نفع سمجھ کر اس کی تدبیر کی اور اس میں الٹا نقصان ہو گیا اور بسا اوقات مصیبت کی راہ سے فوائد حاصل ہو گئے اور فوائد کی راہ سے مصیبتیں اور مضرت کی راہ سے مسرت اور مسرت کی راہ سے نقصان اور اکثر بار محنت میں منت اور منت میں محنت پوشیدہ ہوتی ہے، بہت دفعہ دشمنوں کے ہاتھ سے منفعت اور دوستوں کے ہاتھ سے ایذا پہنچتی ہے جب ایسا قصہ ہے تو عاقل سے کیسے ممکن ہے کہ اللہ کے آگے تدبیر چلائے۔ حالانکہ اتنی خبر نہیں کہ مسرت کہاں ہے کہ اس کو حاصل کرے اور مضرت کہاں ہے کہ اس سے بچے۔

شیخ ابوالحسن رحمہ کی دعا: اسی لئے شیخ ابوالحسن کی دعا ہے کہ یا اللہ! ہم جس جگہ جانتے ہیں اور اس کا طریقہ بھی جانتے ہیں وہاں تو اپنے سے ضرر دفع کر ہی نہیں سکتے پس جس جگہ ہم جانتے نہیں نہ اس کا طریقہ معلوم ہو وہاں ہم کیسے عاجز نہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ... الآیۃ

اور بہت مرتبہ تو نے کسی بات کا ارادہ کیا ہوگا اور اللہ نے اس کو ہٹا دیا اور اس وجہ سے اپنے دل میں غم اور تنگی پائی ہوگی مگر جب اس کا انجام معلوم ہوا ہوگا تو سمجھا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے کیسی شفقت فرمائی کہ تجھ کو خبر بھی نہ ہوئی اور اس ارادہ کرنے والے سے بدتر کون ہوگا جس کو فہم نہ ہو اور فہم سے بدتر کون ہوگا جس میں

اطاعت نہ ہو جیسا کسی نے کہا ہے:

بہت کاموں میں چاہا نہیں ہونے دیا تو نے
ہمیشہ مجھ سے زیادہ مجھ پہ تیری مہربانی ہے
کیا ہے عزم میں نے نہ دیکھوں دل میں شیا خطرہ بھی
مگر سمجھوں یہ تیری جہت سے نگرانی ہے
اور وہ یہ بھی ہے نہ جاؤں منہیات کے نزدیک
کہ میرے دل میں عظمت یہ تیری کبر شانی ہے

ایک حکایت: کسی کی حکایت ہے کہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا تو کہتا تھا اس میں کچھ خیر ہے ایک شب اتفاق ہوا کہ ایک بھیڑیا آکر اس کے مرغ کو لے گیا اس کو اطلاع ہوئی کہنے لگا اس میں خیر ہوگی اسی شب اس کے کتے کے کہیں چوٹ لگی اور مر گیا اس کو خبر ہوئی کہنے لگا اس میں خیر ہوگی پھر اس کے گدھے نے چلانا شروع کیا اور مر گیا کہنے لگا اس میں کچھ خیر ہوگی۔ اس کے گھر والے اس بات سے خفا ہوئے تھے اتفاق ایسا ہوا کہ اسی رات کچھ بدو آئے اور محلے والوں کو لوٹا مارا اور بجز اس شخص کے اور اس کے گھر والوں کے کوئی نہ بچا وہ بدو مرغ کتے اور گدھے کی آواز سے پتہ پا گئے تھے اور اس کے یہ سب مر چکے تھے پس ان چیزوں کا ہلاک ہونا اس کیلئے نجات کا باعث بن گیا پس پاک ہے وہ تدبیر کرنے والا حکمت والا۔ اور جب تک انجام نہیں ظاہر ہوتا اس وقت تک اللہ کی تدبیر کی خوبی بندے کو نظر نہیں آتی اور خاص لوگوں کے مقام سے اس کو کچھ بھی تعلق نہیں کیونکہ جن کو اللہ کی طرف سے فہم عنایت ہوتی ہے وہ تو قبل انجام ظاہر ہونے کے اللہ کی تدبیر کی خوبی کو مشاہدہ کرتے ہیں اور ایسے لوگ اس باب میں کئی طرح کے ہیں بعض لوگوں کو اللہ کے ساتھ حسن ظن ہے اللہ تعالیٰ نے جو ان کو اپنے احسان و لطف کا عادی کر رکھا ہے اس سے وہ گردن جھکا دیتے ہیں اور بعضوں کو حسن ظن اس وجہ سے ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ اعتراض اور تدبیر اور منازعت (تقدیر سے لڑائی) نہ تو تقدیر کو ٹال سکتی ہے نہ غیر مقسوم (جو قسمت میں

نہیں) چیز کو حاصل کرا سکتی ہے۔ بعضوں کو اس وجہ سے حسن ظن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حکایت فرمائی ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں جس طرح کا گمان میرے ساتھ رکھتا ہے اس لئے وہ حسن ظن کو اور اس کے اسباب کو اختیار کرتا ہے اس امید سے کہ اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہو، پھر اللہ بھی اس کے ساتھ اس کے گمان کے موافق اس کیساتھ برتاؤ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کی راہیں مسلمانوں کیلئے نہایت آسان کردیں کہ ان کے گمانوں کے موافق معاملہ فرمایا۔ خود ارشاد فرماتے ہیں:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا۔

ان سب مراتب سے بڑھ کر یہ ہے کہ تسلیم تفویض اس وجہ سے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا مستحق ہے نہ اس کی وجہ سے جس کا نفع لوٹ کر اپنی ہی طرف آئے کیونکہ مراتب مذکورہ بالا میں بندہ ابھی اسباب میں گرفتار ہے کیونکہ جو شخص اپنے فوائد کیلئے اس کا مطیع بنا اس کا مطیع بننا تو الطاف بیشمار مہربانیوں کی وجہ سے ہوا اگر یہ الطاف نہ ہوتے تو یہ مطیع بھی نہ ہوتا، دوسرے کا بھی یہی حال ہے کیونکہ یہ سمجھ کر تدبیر سے کچھ فائدہ نہیں، اگر تدبیر کو چھوڑ دیا یہ اللہ کیلئے تو نہیں ہوا کیونکہ اگر اس کو تدبیر کا نافع ہونا معلوم ہوتا تو شاید تدبیر نہ چھوڑتا اور جس نے حسن ظن اور اطاعت اس لئے اختیار کی کہ میرے گمان کے موافق مجھ سے معاملہ ہو تو دراصل وہ اپنے حظوظ نفس (نفسانی خواہش) میں سعی کر رہا ہے اس کو اندیشہ صرف یہ ہے کہ اگر میں ایسا نہ کروں گا تو افضال جاتے رہیں گے اور جو شخص اللہ کی اطاعت اور حسن ظن اس وجہ سے کرے کہ وہ صفت الوہیت اور صفت ربوبیت کے ساتھ موصوف ہے بس یہ شخص ہے جو حقیقت حال کو پہنچ گیا اور اس گروہ میں داخل ہونے کے لائق ہو گیا جن کے حق میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ ان کی ایک تسبیح جبل احد کے برابر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تمام بندوں سے ترک تدبیر کا عہد

لیا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ... آلایۃ

کیونکہ اقرار ربوبیت کو یہ بات لازم ہے کہ اس کے آگے تدبیر نہ کریا جائے یہ عہد اس وقت ہو چکا ہے کہ جب نفس بھی نہ تھا جو کل اضطراب (پریشانیوں کی جڑ) ہے اور اللہ کے سامنے تدبیر چلاتا ہے اور اگر بندہ اس پہلی حالت پر رہتا کہ پردہ اٹھا رہتا اور حضوری میسر رہتی تو خدا کے آگے اس سے تدبیر کرنا ممکن نہ ہوتا چونکہ حجاب حائل کر دیا ہے اس سے تدبیر واضطراب واقع ہوا اسی واسطے جو اللہ کی معرفت رکھتے ہیں اور اسرار ملکوت کا مشاہدہ کرتے ہیں وہ اللہ کے سامنے تدبیر نہیں کرتے کیونکہ اللہ کی معارفت تدبیر کو نہیں ہونے دیتی اور ان کی پکی پکی تدبیریں توڑ دیتی ہے اور اللہ کے روبرو ایسا شخص کیونکر تدبیر کر سکتا ہے جو اس کی درگاہ میں حاضر ہے اور اس کی کبریائی اور عظمت کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

حضرت آدم کا واقعہ اور اس کی حکمتیں

جاننا چاہیے کہ تدبیر و اختیار کا وبال عظیم ہے اور اس کا خطرہ شدید ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم نے جو غور کیا تو حضرت آدم علیہ السلام میں بھی بات پائی کہ اپنے لئے تدبیر کرنا درخت کھانے کا سبب ہوا کیونکہ شیطان نے آدم و حوا علیہما السلام سے وہ بات کہی تھی جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اس قول میں دی۔

قَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ۝

شیطان نے کہا کہ تمہارے پروردگار نے اس درخت کے کھانے سے اور کسی سبب سے منع نہیں کیا صرف یہ وجہ ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ یہاں رہنے لگو۔

آدم علیہ السلام نے جب فکر کی تو معلوم ہوا کہ محبوب کے جوار (اللہ کے قریب) میں رہنا تو اسی درجے کا مقصود ہے اور آدمی سے جو فرشتہ ہونے کا خیال ہوا یا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس الواقع وصف ملکیت افضل ہو یا آدم علیہ السلام کے گمان

إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ

میں بے شک بناؤں گا زمین پر ایک خلیفہ۔

پس یہ اللہ کی تدبیر کی خوبی ہے آدم علیہ السلام کا درخت سے کھانا اور ان کا زمین پر آنا اور منصب خلافت و امامت کے ساتھ ان کو مکرم بنانا جب گفتگو یہاں تک پہنچی تو ہم کو چاہیے ان فوائد اور مصالح کو ذکر کریں جو اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عنایت فرمائے تاکہ ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ خاص لوگوں کے حالات اللہ کے ساتھ کیسے ہیں جو اوروں کو میسر نہیں اور ان کے باب میں اللہ کی ایسی تدبیر ہے جس سے اوروں کی طرف توجہ نہیں فرمائی پس آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے میں چند فوائد ہیں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جنت میں آدم و حوا علیہما السلام کو حق تعالیٰ کی معرفت صرف صفت رزق و عطا و احسان و انعام کے ساتھ حاصل تھی اللہ کو اپنے لطف خفی (خاص مہربانی) سے جو اس کی تدبیر میں ہوتا ہے یہ منظور ہوا کہ یہ دونوں اس درخت سے کھائیں تاکہ صفت حلم و ستاری و مغفرت و توبہ و قبولیت دعا کے ساتھ بھی معرفت میسر ہو جائے۔ حلم تو اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس فعل کے کرتے ہی جلدی سزا نہیں دی اور حلیم دی کو کہتے ہیں جو کسی فعل پر جلدی سزا نہ دے بلکہ مہلت دے اس کے بعد خواہ عفو و انعام ہو یا گرفت و انتقام ہو، دوسری بات کہ حق تعالیٰ نے صفت ستاری کے ساتھ اپنی معرفت ان کو دی یہ اس طور پر ہے کہ جب دونوں نے اس درخت سے کھایا اور تمام لباس جنت کے اتار کر ان کی شرمگاہیں کھل گئیں برگ جنت سے ان کی پردہ پوشی فرمائی جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؗ

یعنی دونوں اپنے بدن پر جنت کے پتوں کو ملا کر رکھنے لگے۔

یہ اس کی ستاری ہوئی، تیسری بات یہ ہے کہ اللہ کو یہ جتلانا منظور ہوا کہ تم ہمارے برگزیدہ ہو اور اس برگزیدگی سے وہ مقام پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی طرف

رجوع اور توبہ کرنا اور اس کی طرف سے ہدایت ہونا یعنی اللہ کو منظور ہوا کہ آدم علیہ السلام کو ان کی برگزیدگی اور اپنی عنایت سابقہ جتلائیں۔ پس درخت سے کھانا مقدر کر دیا پھر اس کھانے کو نہ عراض کا سبب بنایا نہ اپنی مدد [illegible] سے موقوف کی بلکہ اس میں اپنی مودت و عزت کا اظہار فرمادیا جیسا بزرگوں کا قول ہے: جس کے حال پر عنایت ہوتی ہے غلطی اس کو نقصان نہیں پہنچاتی بعض دوستی کو مخالفت قطع کر دیتی ہے مگر حقیقی دوستی وہی ہے جو دوست کی طرف سے ہمیشہ ہو خواہ موافقت کرو یا مخالفت اور جو اللہ نے فرمایا ہے۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ　　یعنی پھر ان کے رب نے ان کو برگزیدہ کر لیا۔

اس سے یہ مت سمجھ جانا کہ اجتباء حادث ہے بلکہ وہ قبل وجود آدم ہے البتہ ظہور اثر اجتبائیت بے شک حادث ہے۔ یہی کو فرمایا اللہ تعالیٰ نے ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ یعنی ان کو توبہ کی توفیق اور ہدایت دے کر اثر اجتبائیت اور عنایت کو ظاہر کر دیا جیسی کہ آیت میں

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى

تین باتیں بتلائیں ایک اجتبائیت دوسرے توبہ جو نتیجہ اجتبائیت کا ہے تیسرے ہدایت جو نتیجہ توبہ ہے۔ یعنی طرح سمجھو کہ پھر ان کو زمین پر لا کر اپنی صفت حکمت کے ساتھ ان کو اپنی معرفت دی۔ جیسا جنت میں صرف غلبہ قدرت کے ساتھ معرفت دی تھی اور یہ اس طرح ہے کہ دنیا وسائط اور اسباب کا مقام ہے، جب آدم علیہ السلام زمین پر آئے جو تدبیر ہوتا جس قدر سامان زندگی کی حاجت ہوتی ہے سب ان کو سکھا دیا تاکہ اس چیز کو محقق (ثابت) کر دے جو قبل ان کے زمین پر اتارنے کے یہ کہہ کر ان کو بتلا دی تھی۔

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى

کہیں شیطان تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے پھر مشقت میں پڑ جاؤ گے۔

یہاں مراد شقی سے مشقت ہے نہ شقاوت دلیل اس کی یہ ہے کہ شقی مفرد لائے

جس میں صرف آدم علیہ السلام مخاطب ہیں۔ تثنیہ نہیں لائے کہ آدم وحوا دونوں مخاطب ہوتے۔ کیونکہ تعب اور کلفت تو سب کا سب مردوں کی جان پر ہوتا ہے نہ کہ عورتوں پر جیسا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ

اور اگر شقاوت مراد ہوتی جو قطع تعلق یا وجوب حجاب سے ہوتی ہے تو تثنیہ فرماتے پس مفرد لانا دلیل ہے اس پر کہ یہاں شقاء وہ نہیں جو قطع و دوری سے ہوتی ہے پھر اگر تثنیہ بھی ہوتا تب بھی نیک گمان پر اس کو محمول کرتے یعنی ظاہری تکلیفیں تاویل میں مراد لیتے۔

فائدہ جلیلہ: جاننا چاہیے کہ آدم علیہ السلام کا درخت سے کھانا عناد و مخالفت کی راہ سے نہ تھا پس یا تو آدم علیہ السلام بھول گئے کھانے کے وقت یاد نہیں رہا اور بعضوں کا قول یہی ہے اور اسی پر محمول ہے قول اللہ تعالیٰ کا فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ یا یوں کہو کہ کھانے کے وقت یاد تھا پھر کیوں کھایا؟ پس یا تو یہ وجہ ہے کہ شیطان نے یوں بہکایا کہ تم کو جو اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے صرف اس وجہ سے ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ یہاں ہی رہو پڑ و چونکہ ان کو اللہ کے ساتھ محبت اور فریفتگی تھی ایسی چیز کو پسند کیا جو اللہ کے جوار میں ان کو ہمیشہ یاد رکھے یا ان کو فرشتہ بنا دے کیونکہ آدم علیہ السلام ملکیت کا قرب معائنہ فرما چکے تھے، (فرشتوں کے مرتبے کو قریب سے دیکھ چکے تھے) اس لئے درخت سے کھا لیا تا کہ رتبہ ملکیت کا حاصل کریں جو کہ واقع میں یا صرف ان کے گمان میں افضل تھا، چنانچہ علماء اور عرفا میں اختلاف ہے کہ ملکیت افضل ہے یا نبوت خصوصاً جبکہ اس ملعون نے قسم کھا کر یہ بھی کہہ دیا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں آدم علیہ السلام کو گمان بھی نہ تھا کہ کوئی اللہ کی قسم جھوٹی کھائے گا۔ یہی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطان نے دونوں کو دھوکے میں لٹکا دیا۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ آدم علیہ السلام جو کھاتے تھے اس کی گندگی نہ ہوتی تھی بلکہ پسینہ آجاتا تھا جس میں مشک کی خوشبو ہوتی تھی، جیسے جنت والوں کو جنت میں ہوگا۔

لیکن جب اس درخت سے کھایا جس سے ممانعت تھی پیٹ میں درد اٹھا، حکم ہوا اے
آدم! یہاں کہاں موقع ہے، آیا تخت پر یا چھپر کھٹ پر یا نہروں کے کناروں پر زمین
پر جاؤ جہاں یہ ممکن ہے، پس جب تو ذریعہ معصیت کے آثار آدم علیہ السلام تک پہنچے تو
حقیقی معصیت کے آثار عاصی تک کیسے نہ پہنچیں گے خوب سمجھ لو۔

تنبیہ و اعتبار: جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع فرمایا ہے وہ مشابہ
اس درخت کے ہے اور جنت اللہ کی حضوری ہے، اور آدم تیرا قلب ہے اور جو تیرا
نفس ان دونوں کو خطاب ہوتا ہے کہ اس درخت کے پاس مت جانا کبھی ظالموں سے
ہو جاؤ، لیکن اتنا فرق ہے کہ آدم علیہ السلام کو عنایت تقصیر سے ہوئے تھی جب انھوں
نے درخت سے کھایا، خلافت کیلئے زمین پر بھیج دیے گئے اور تو اگر درخت نہی سے
کھائیگا زمین عداوت پر پھینک دیا جائے گا۔ اور تیرا دل کہ مشابہ آدم ہے مشقت
میں پڑ جائے گا اور اس عداوت کی کلفت قلب کو ہوتی ہے نہ کہ نفس کو کیونکہ ایسے وقت
میں تو اس کے مزاج کے مناسب چیزیں ہوتی ہیں۔ یعنی تلذذات اور شہوات اور
غفلت میں غرق ہوتا۔

ترتیب و بیان: جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اول آدم علیہ السلام کو اپنی معرفت
عنایت فرمائی صفت ایجاد کے ساتھ تو پکارا انھوں نے یا فاطِرُ پھر صفت ارادے
کے ساتھ پکارا یا مُرِیدُ پھر صفت حکمت کے ساتھ جو اکل شجر (درخت سے
کھانے) سے منع کرنے میں تھی تو پکارا یا حکیمُ پھر کھانا ان پر مقدر کیا تو پکارا
یا قاهِرُ پھر کھانے کے بعد جلدی سے سزا نہیں دی تو پکارا یا حلیمُ پھر اس مقدمے
میں ان کو رسوا نہیں کیا تو پکارا یا ستّارُ پھر ان کی توبہ قبول فرمائی تو پکارا یا توّابُ پھر
اس کا مشاہدہ کرایا کہ درخت کھانے سے دوستی قطع نہیں کی تو پکارا یا وَدُودُ پھر ان کو
زمین پر بھیجا اور سامان زندگی کا ان کیلئے آسان کر دیا تو پکارا یا لطیفُ پھر اپنے احکام
میں ان کو قوت بخشی تو پکارا یا مُعِینُ پھر کھانے اور منع کرنے اور زمین پر آنے کے
اسرار ان کو مشاہدہ کرائے تو پکارا یا عجیبُ پھر ان کو دشمن (یعنی شیطان اور نفس) اور

بشریت کو غالب کیا تو پکارا ایسا نصیب پھر بار عبودیت برداشت کرنے میں ان کی مدد
فرمائی تو پکارا ایسا خطیب جس زمین پر ان کو اس واسطے بھیجا کہ احکام تصریف کی تکمیل
فرمائے اور احکام تکلیف میں ان کو قائم کر دے تو آدم علیہ السلام میں دونوں عبودیتیں
کامل ہو گئیں۔ عبودیت تصریف بھی اور عبودیت تکلیف بھی۔ پس اللہ تعالیٰ کی ان
پر بڑی منت ہے اور اس کا بڑا احسان ہے۔ اچھی طرح سمجھو۔

دسواں مطلب: جاننا چاہیے کہ سب سے بڑا مقام جس میں بندہ کو قائم ہونا
چاہیے مقام عبودیت ہے اور تمام مقامات اس مقام کی نسبت مثل خادم کے ہیں اور
دلیل اس دعویٰ کی کہ عبودیت سب سے بڑا مقام ہے اللہ تعالیٰ کے یہ قول ہیں:

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا ۝ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی
عَبْدِنَا ۝ کٓھٰیٰعٓصٓ ۝ ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ
زَکَرِیَّا ۝ وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ ۝

ان سب آیت میں رسول اللہ ﷺ کو عبد فرمایا۔ اور جب رسول اللہ ﷺ کو نبی
بادشاہ یا نبی یا بندہ ہونے کا اختیار دیا گیا۔ آپ نے عبودیت کو ہی اختیار کیا پس یہ
بڑی دلیل ہے اس کی کہ یہ سب مقامات سے افضل اور تمام طرق قرب سے اعظم
ہے اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں تو بندہ ہوں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا بندوں کی
طرح کھاتا ہوں اور فرمایا کہ میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور میں یہ کچھ فخر نہیں
کرتا میں نے شیخ ابوالحسن سے سنا ہے کہ فرماتے تھے لا فخر کے معنی یہ
ہیں کہ میں سرداری پر فخر نہیں کرتا میرا فخر تو عبودیت ہے اور اسی کے ایجاد واسطے
ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝

اور عبادت صورت عبودیت ہے اور عبودیت روح عبادت ہے جب اس کو تم
نے سمجھ لیا تو اب سمجھو کہ عبودیت کی روح ترک اختیار اور تقدیر سے منازعت نہ
کرنا ہے پس اس سے ظاہر ہوا کہ بندگی کی حقیقت یہ ہے کہ پروردگار کے آگے

تدبیر و اختیار ترک کر دے۔ ہر گاہ التزام مقام عبودیت کا جو اشرف المقامات ہے
ترک تدبیر پر موقوف ہے تو بندے کو سزاوار ہے کہ اس کو ترک کر دے اور تسلیم و
تفویض کی راہ پر چلے تاکہ مقام امن اور مسلک افضل تک پہنچے اور رسول اللہ ﷺ نے
حضرت ابوبکرؓ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا کہ آہستہ پڑھتے ہیں اور حضرت عمرؓ کو سنا کہ
پکار پکار کر پڑھ رہے ہیں آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ تم آہستہ کیوں پڑھ
رہے تھے؟ عرض کیا: جس سے میں عرض کرتا تھا وہ سنتا تھا۔ حضرت عمرؓ سے پوچھا تم پکار
کر کیوں پڑھتے تھے عرض کیا میں سوتوں کو جگاتا تھا اور شیطان کو بھگاتا تھا۔ آپ نے
حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ تم اپنی آواز ذرا اونچی کرو اور حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ تم اپنی
آواز ذرا پست کرو۔ ہمارے شیخ ابو العباسؒ فرماتے تھے اس مقام پر رسول اللہ ﷺ کو
منظور یہ تھا کہ دونوں صاحبوں سے ان کا ارادہ چھڑا کر اپنے ارادے کی طرف
لائیں۔

تنبیہ: خدا تیرا بھلا کرے اس حدیث میں غور کر تجھ کو معلوم ہو جائیگا کہ اپنے
ارادے سے باہر آنا تیری ضرورت ہے۔ کیونکہ ابوبکرؓ و عمرؓ سے جب رسول اللہ ﷺ
نے وجہ پوچھی تو ہر ایک نے اپنی وجہ و قصد صحیح عرض کیا اس کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ
ان دونوں کے ارادہ و اختیار سے علیحدہ کر کے اپنے اختیار کی طرف لائے۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ بنی اسرائیل جب وادی تیہ میں داخل ہوئے اور من و سلویٰ
ملنے لگا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی روزی کیلئے یہی پسند فرمایا تھا کہ بلا محنت و مشقت محض
منت و احسان سے عنایت ہوتا تھا چونکہ وہ اس کے عادی نہ تھے اور نفس کی تدبیر کا
مقابلہ نصیب نہیں ہوا تھا ان کی کیفیت طبائع اسی پہلی عادت کی طرف راغب ہوئی
اور کہنے لگے: اپنے رب سے دعا کرو کہ زمین کے ان نباتات میں سے ہمارے لئے
پیدا کرے جو ساگ ہے، ککڑی ہے، لہسن ہے، مسور ہے، پیاز ہے۔ موسیٰ علیہ السلام
نے فرمایا: کیا تم ادنیٰ چیز اچھی چیز کے بدلے چاہتے ہو۔ شہر میں اترو وہاں پر تمہاری
منہ مانگی چیز ملے گی اور ان پر ذلت و خواری جم گئی اور اللہ کے غضب میں پھر گئے اور

یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ کی پسندیدہ چیز کو جو ان کی حالت کے مناسب تھی اپنی پسندیدہ ادنیٰ چیز کے بدلے چھوڑ دیا تو ان کو بطریق توبیخ کہا گیا:

أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ

اس کی ظاہری تفسیر تو یہی ہے کہ آیا تم ساگ، پیاز، مسور کو من و سلویٰ کے عوض میں چاہتے ہو۔ حالانکہ یہ دونوں عین لذت اور بے مشقتی میں بہتر ہیں۔

یعنی من و سلویٰ لذیذ ہے اور بے محنت ملتا ہے۔ بخلاف تمہاری عادی چیزوں کے کہ ان میں نہ تو وہ لذت ہے اور مصیبت و مشقت الگ رہی۔ اور حقیقی اسرار کی یہ ہیں کہ کیا ادنیٰ چیز کو کہ وہ تمہارا ارادہ ہے اعلیٰ سے کہ وہ ہمارا ارادہ ہے بدلنا چاہتے ہو۔

اِهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ الآیہ

اس کے حقیقی اسرار یہ ہیں کہ آسمان تفویض اور تدبیر و اختیار کی بدولت سے اپنی تدبیر و اختیار کی زمین پر اترو اور ذلت اور خواری کے ساتھ موصوف ہو کیونکہ اللہ کی تدبیر و اختیار کے روبرو اپنی تدبیر و اختیار چلاتے ہو اور اگر یہ امت تم جیسی ہوتی تو اس بات کی کبھی حاجت نہ ہوتی جو بنی اسرائیل نے کی کیونکہ ان کے انوار شفاف ہیں اور اسرار دور تک پہنچے ہیں کیا تم نے خیال نہیں کیا کہ بنی اسرائیل نے ابتداء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ

اور ان ہی حضرات میں جا کر آخر میں یہ کہا: اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ۔ اول میں اللہ کی فرمانبرداری سے انکار کیا اور آخر میں اختیار خداوندی کے غیر کو اپنے لئے اختیار کیا۔ اور ان سے بار بار ایسی بہت سی باتیں ہوئیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طریقت اور حقیقت سے بالکل بے بہرہ تھے حتیٰ کہ کہتے ہیں: اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کھلم کھلا دکھا دے۔ کبھی موسیٰ علیہ السلام سے فرمائش کی: اجْعَل لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ یعنی ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو جیسا ان لوگوں کے

پاس ایک معبود ہے یہ اس وقت کہا تھا کہ جب دریا شگافتہ ہوا (یعنی پھٹ گیا) اور یہ پار اتر گئے، وہاں ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے بتوں کے روبرو بیٹھک جمائے بیٹھی تھی، حالانکہ ابھی دریا کی تری پیروں سے خشک نہیں ہوئی واقع میں یہ ایسے ہی تھے جیسا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک تم ایسے لوگ ہو کہ جہالت کرتے ہو اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان کی دوسری حالت بیان کی۔

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ

یعنی ہم نے پہاڑ اٹھا کر ان پر کھڑا کر دیا جیسا سائبان ہوتا ہے اور ان کو یقین ہوا کہ اب گرا۔ حکم ہوا اختیار کرو جو احکام ہم نے تم کو دیئے ہیں ہمت کے ساتھ اور اس امت نے اپنے قلوب پر کوہ ہیبت وعظمت کو اٹھا لیا (یعنی باری تعالیٰ کے جلال و بڑائی کے پہاڑ کو دل پر رکھ لیا) پس قوت ایمان سے کتاب اللہ کو اختیار کر لیا پس اس پر ثابت رہے اور اس امر میں تائید کئے گئے اور گئو سالہ پرستی وغیرہ سے محفوظ رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو پسند کیا اور احکام کو اس کیلئے پسند فرمایا اور اپنے ان اقوال میں اس کی تعریف فرمائی۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

یعنی تم بہت اچھے گروہ ہو جو لوگوں کے فائدہ و ہدایت کیلئے پیدا کئے گئے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا

یعنی ہم نے تم کو گروہ وسط یعنی عادل نیک۔

پس اس سے تجھ کو ظاہر ہو گیا کہ تدبیر و اختیار بڑا سخت گناہ اور وبال ہے جب تجھ کو یہ منظور ہو کہ اللہ کی طرف سے تیرے لئے کوئی اچھی بات تجویز کی جائے تو اپنی تدبیر کو ساقط کر دے اور اگر یہ منظور ہو کہ تیرے لئے عمدہ تدبیر کی جائے تو اپنی تدبیر کا اس کے آگے دعویٰ مت کر اور اگر تجھ کو مراد تک پہنچنا منظور ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ اس کے آگے کچھ مراد نہ رہے۔

حضرت بایزیدؒ کی تمنا: اسی لئے حضرت بایزیدؒ سے پوچھا گیا کہ کیا چاہتے ہو، تو کہا میں چاہتا ہوں کہ مجھے نہ چاہوں یعنی ان کی آرزو اور خواہش ختم ہوجائے کیونکہ ان کا ارادہ جاتا رہے کیونکہ جانتے تھے کہ یہ بڑی کرامت ہے اور بڑی قربت ہے کبھی خاص لوگوں سے ظاہر میں کرامتیں ہوتی ہیں مگر یہ بقیہ تدبیر کا اس میں دخل ہوتا ہے حقیقی اور کامل کرامت یہی ہے کہ تدبیر کو ترک کردے اور اس کے حکم کے آگے تفویض اختیار کرے۔

شیخ کا ارشاد: اسی لئے شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ دو ہی تو جامع کرامتیں ہیں ایک کرامت ایمان جس سے یقین بڑھے اور عیاں مشہود ہو، دوسری کرامت عمل کہ جس میں اقتدا و متابعت ہو (یعنی تقدیر پر راضی رہنا ہو) اور دعویٰ اور دھوکے سے اجتناب ہو جس کو یہ دونوں کرامتیں نصیب ہوگئیں پھر وہ کسی اور کرامت کا طالب ہو ایسی دوآرزی پر تو فریب خوردہ ہوتا ہے یا علم اور عمل میں غلط کار ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کو بادشاہ کی حضوری کا اعزاز خوشنودی کے ساتھ دیا گیا پھر وہ گھوڑوں کی سائیسی کا مشتاق ہوا اور بادشاہ کی خوشنودی کا لباس اتار دیا اور جس کرامت کے ساتھ۔۔۔ اللہ سے راضی ہونا مقرون (حاصل) نہ ہو وہ کرامت والا یا تو استدراج ہے یا دھوکے میں ہے یا ناقص ہے یا ہلاکت میں ہے۔ اب یہ معلوم کرو کہ کرامت کا کرامت ہونا اللہ کی رضا حاصل ہونے پر موقوف ہے اور لازم رضا سے یہ ہے کہ تدبیر ترک کردے اور اس کے رو برو اختیار معدوم کردے۔ جو تم چاہتے کہ بعضوں نے بایزیدؒ پر اعتراض کیا ہے کہ جب انہوں نے ارادہ کیا کہ کچھ ارادہ نہ کریں تو یہ بھی ایک ارادہ ہے اور یہ اعتراض کسی بے علم کا ہے کیونکہ مراد بایزیدؒ کی یہ ہے کہ میں ارادہ نہ کروں کیونکہ اللہ کو ان کے اور تمام بندوں کیلئے یہ بات پسند ہے کہ ارادہ نہ کریں یعنی یہ ان ارادہ میں اللہ کے ارادہ موافق ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ مراد بایزیدؒ کی مطلق ارادے کی نفی نہیں بلکہ جو ارادہ اللہ کی مرضی کے خلاف ہو۔ اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے کہ: جتنی چیزیں شرع کی

پسندیدہ اور ترتیب دادہ ہیں یعنی مقرر کی ہوئی ہیں تیرا اس میں کچھ اختیار نہیں بس مانا کر اور مانا کر۔ یہ مقام قضا و ربانی اور علم لدنی کا ہے اور یہ علم حقیقت کے نزول کی زمین ہے جو مشاہدہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس شخص کیلئے جو قرار پکڑے۔ ختم ہوا کلام شیخ کا۔ پس شیخ نے اپنے کلام میں یہ بات بتلا دی کہ جتنی چیزیں شرع کی پسندیدہ ہیں ان کا اختیار کرنا مقام عبودیت سے خارج نہیں جس کی بنا ترک اختیار پر ہے تا کہ کوئی عقل نا حقیقت شناس اس سے دھوکہ نہ کھائے اور یہ نہ سمجھنے لگے کہ وظائف اور اوامر دینی مؤکدہ کے ارادہ کرنے سے مقام عبودیت سے نکل جائے گا کیونکہ بعضے تو کرنے ہی سے شیخ نے بیان فرمادیا کہ جتنی چیزیں شرع کی پسندیدہ اور ترتیب دادہ ہیں ان میں کچھ اختیار نہیں۔

کہ اس کو بھی چھوڑ کر بیٹھ جائے لیکن وہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ خلاصہ یہ حکم ہے کہ اپنی تدبیر و اختیار سے نکل، نہ کہ اللہ اور رسول کی تدبیر سے بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو پس تم کو معلوم ہو گیا کہ بندے نے جو اراده عبادت کرنے کا ارادہ کیا وہ صرف اسی وجہ سے ہے کہ اللہ کی یہی مرضی ہے۔ ارادہ نہ کریں اس ارادے کے سبب وہ عبودیت سے خارج نہیں ہو سکتے جو ان سے مطلوب ہے پس معلوم ہو گیا کہ طریق موصل الی اللہ کو کرنا ہے (اللہ تک پہنچنے کا صحیح اور سیدھا راستہ یہ ہے کہ ارادہ و اختیار چھوڑ دے) ارادے کا اور چھوڑنا ہے خواہش کا یہاں تک کہ شیخ ابو الحسنؒ فرماتے ہیں کہ ولی بھی اللہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اس کی ایک تدبیر و اختیار بھی باقی رہے اور میں نے اپنے شیخ ابو العباسؒ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ بندہ اللہ تک نہیں پہنچے یہاں تک کہ پہنچنے کی خواہش بھی اس کی ختم ہو جائے۔ مراد انقطاع سے واللہ اعلم انقطاع ادب معلوم ہوتا ہے نہ انقطاع طلب۔

انقطاع آرزو کبھی غایت ادب سے ہوتا ہے کہ مانگنے کو خلاف ادب جانتا ہے۔ اگرچہ مطلوب کا شوق بندہ میں مشتعل ہے اور کبھی ملال سے ہوتا ہے کہ مطلوب سے جی اکتا گیا اس لئے نہیں چاہتا تو اولیاء اللہ کو جو وصول الی اللہ کی آرزو منقطع ہوتی ہے

جہاں تو اللہ تعالیٰ تجھ کو توفیق دے کہ اللہ کے ایسے ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تادیب و تعلیم کی وجہ سے وہ لوگ اپنی تدبیر سے خارج ہو گئے، پس انوار نے ان کی چالاک تدبیروں کو توڑ ڈالا اور معارف و اسرار نے ان کے کوہ اختیار کو چور چور کر ڈالا۔ پس مقام رضا میں ان کی منزل ہو گئی اس مقام کی لذت ان کو ملی، پس اللہ سے فریاد کرنے لگے اس خوف سے کہ کہیں حلاوت رضا میں مشغول ہو کر اس کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔

یعنی تسلیم و تفویض کا ایسا غلبہ ہوا کہ رضا کا قصد کرتے بھی ڈرتے ہیں۔ شیخ ابو الحسنؒ فرماتے ہیں کہ میں ابتدائے عمر میں تدبیریں کیا کرتا تھا کہ کیا طاعتیں کروں اور اس کے کیا اسباب مہیا کروں، کبھی کہتا تھا میدانوں اور جنگلوں میں جا پڑوں کبھی کہتا شہروں اور آبادیوں میں رہوں کہ وہاں علماء اور نیک لوگوں کی صحبت میسر ہو، مجھ سے کسی نے ایک ولی کی تعریف کی جو ملک میں مغرب میں کسی پہاڑ پر رہتے تھے، میں اس پہاڑ پر چڑھا اور ان کے پاس شب کو پہنچا اور اس وقت ان کی خدمت میں جانا نامناسب سمجھا، میں نے ان کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا: الٰہی بہت لوگ تجھ سے یہ دعا کرتے ہیں مخلوق کو ان کا مسخر کر دے اور تو ان کو عنایت کر دیتا ہے اور وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے ہیں، یا الٰہی میری تو یہ دعا ہے کہ تمام مخلوق مجھ سے ٹیڑھی ہو جائے تاکہ تیرے سوا میری کوئی پناہ گاہ نہ رہے میں نے سوچا اے دل تو غور کر یہ شیخ کس دریا سے چلو لے رہے ہیں، شب کو ٹھہر رہا جب صبح ہوئی ان کے روبرو گیا اور سلام کیا پھر پوچھا کہ جناب کا کیا حال ہے کہنے لگے جیسے تم کو حرارت تدبیر و اختیار کی شکایت ہے مجھ کو برودت تسلیم و رضا کی شکایت ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت حرارت تدبیر و اختیار سے جو مجھ کو شکایت ہے اس کا مزہ تو چکھ چکا ہوں اور اس وقت بھی چکھ رہا ہوں لیکن آپ کی جو شکایت برودت رضا و تسلیم سے ہے اس کے معنی میری سمجھ میں نہیں آئے، کہنے لگے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں ڈرتا ہوں کہ ان دونوں کی حلاوت اللہ تعالیٰ سے مجھے غافل نہ کر دے، پھر میں نے کہا حضرت شب گزشتہ میں

نے آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ یا الٰہی! بہت لوگ تجھ سے یہ دعا کرتے ہیں
کہ مخلوق کو ان کا مسخر کر دے اور تو ان کو مسخر کر دیتا ہے اور جو لوگ اس پر راضی ہو
جاتے ہیں۔ یا الٰہی میری تو یہ دعا ہے کہ تمام مخلوق مجھ سے نفرت کر جائے تاکہ تیرے
سوا میری کوئی پناہ نہ رہے۔ پس تبسم فرمایا اور کہا: اے میرے بیٹے! کہا سخر لی
خلقک (اے اللہ اپنی مخلوق کو میرے لئے مسخر کر دے) کے یہ معنی ہیں اب یا رب
نفر منی (اے پروردگار مجھ سے نفرت دلا) غور کرو اگر ساری مخلوق تیری ہو تو کیا تجھ کو کوئی
فائدہ پہنچا سکتی ہے یہ کتنی کم بختی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں درس عبرت

جاننا چاہئے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان اس وجہ سے ہلاک ہوا کہ
اس نے اپنی تدبیر کی طرف رجوع کیا اور جو تدبیر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ
السلام اور ان کے کشتی والے ساتھیوں کیلئے فرمائی اس پر راضی نہ ہوا۔ نوح علیہ السلام
نے اس سے فرمایا اے بیٹے! تو بھی ہمارے ساتھ چڑھ جا اور کافروں کے ساتھ مت
ہو۔ کہنے لگا: میں کسی پہاڑ پر جا بیٹھوں گا جو مجھ کو پانی سے بچا لے گا۔ انہوں نے کہا:
آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچنے والا نہیں، ہاں مگر جس پر اس کی مہر ہو۔ پس باعتبار
معنی کے اس نے تو عقل کی پناہ لی اور ظاہر میں جس پہاڑ کی پناہ لی تھی وہ اس جبل
معنوی کی صورت تھی پس وہی حال ہوا جس کی خبر اللہ نے دی۔

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ.

یعنی دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوب گیا۔

ظاہراً تو طوفان میں اور باطناً حرمان میں۔

مقام عبرت

اے بندے! ذرا عبرت حاصل کر جس وقت تقدیری موجیں تجھ پر تلاطم کریں
اس وقت اپنی عقل باطل کے پہاڑ کی طرف رجوع مت کر ورنہ فراق میں جا

ڈوب جائے بلکہ کشتی توکل میں بیٹھ جانا، جس نے اللہ تعالیٰ کی پناہ لی وہ سیدھی راہ پر پہنچا، اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کو کافی ہے جب تو ایسا کرے گا کشتی نجات تجھ کو لے کر جودی امن (امن اور سلامتی کی پہاڑی) پر قرار پکڑے گی، پھر تو اس پر جا اترے گا سلامتی قرب اور برکات وصل کے ساتھ جو نازل ہوں گی تجھ پر اور ان پر جو تیرے ساتھ جماعتیں ہیں اور وہ تیرے وجود کے عالم میں خوب سمجھ غافل مت ہو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور جاہل مت ہو، پس تجھ کو معلوم ہو گیا کہ تدبیر و اختیار کا ترک کرنا بڑی ضروری چیز ہے جس کو اہل یقین لازم سمجھتے ہیں اور عبودیت والے اس کو طلب کرتے ہیں اور بڑی شریف چیز ہے جس کے ساتھ اہل معرفت آراستہ ہوتے ہیں، میں نے خانہ کعبہ کے روبرو ایک عارف سے پوچھا کہ آپ کی واپسی کس طرف کو ہوگی۔ کہنے لگے کہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ میری ایک عادت ہے کہ میرا ارادہ میرے قدم سے تجاوز نہیں کرنے پاتا۔

مطلب یہ کہ ارادہ بالکل مقدم نہیں ہوتا۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اگر جنت والے جنت میں اور جہنم والے جہنم میں چلے جائیں اور میں اکیلا رہ جاؤں مجھ کو دونوں گھروں میں کچھ بھی تمیز نہ ہو کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا، پس یہ حال ہوتا ہے اس شخص کا جس کے اختیارات اور ارادے محو ہو گئے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی مراد کے آگے اس کی کچھ مراد نہ رہی ہو۔ جیسے بزرگان متقدمین سے کسی کا قول ہے کہ: میری خواہش تقدیر الٰہی کے مقام میں ہے ابو حفص حداد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ۔ چالیس سال سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو جس حال میں رکھا میں نے اس کو ناپسند نہیں کیا اور جس حالت کی طرف منتقل کیا اس سے میں ناخوش نہیں ہوا اور ایک بزرگ نے مجھ سے فرمایا کہ چالیس سال سے یہ خواہش کر رہا ہوں کہ مجھے کچھ خواہش نہ رہے تاکہ خواہش کی چیز ترک کر دوں مگر کوئی چیز خواہش کی نہیں ملتی۔ جس کے ترک کیلئے نفی خواہش کی خواہش کروں، پس یہ وہ قلوب ہیں جن کی رعایت و حمایت خود حق تعالیٰ فرماتا ہے، تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ

یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا (یعنی شیطان کا) کچھ زور نہیں چلے گا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ مقام عبودیت کے ساتھ ان کا تعلق ہونا ربوبیت کے آگے ان کا اختیار نہیں ہونے دیتا اور نہ گناہ کرنے دیتا نہ کسی عیب میں آلودہ ہونے دیتا ہے اور فرمایا حق سبحانہ وتعالیٰ نے:

انه لیس له سلطان علی الذین امنوا وعلی ربهم یتوکلون٥

بیشک بات یہ ہے کہ شیطان کا زور ان پر نہیں چلتا جو اللہ پر یقین لائے اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔

پس جن قلوب میں شیطان کا قابو نہ چلے اس میں وسوسہ تدبیر اور اس سے قلب کا مکدر ہونا کدھر سے آئے گا اور اس آیت میں اس کا بیان بھی ہے کہ جو شخص ایمان اور توکل کو ٹھیک کرے اس پر شیطان کا بس نہیں چلتا۔ کیونکہ شیطان دو طرح سے آتا ہے یا تو عقائد میں شک ڈال دیتا ہے یا مخلوق کی طرف مائل کرکے اس پر اعتماد کراتا ہے۔ شک کی نفی تو ایمان سے ہوگی اور اعتماد علی الخلق کی نفی توکل سے ہو جائے گی۔

تنبیہ: جاننا چاہیے کہ مومن کو بھی تدبیر سے خطرات آتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس کو اس میں نہیں رہنے دیتا اور اس حالت میں نہیں چھوڑتا کیا تم نے اللہ کا فرمان نہیں سنا:

اللّٰه ولی الذین امنوا یخرجهم من الظلمات الی النور

کہ اللہ دوست ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان تاریکیوں سے طرف نور کے۔

پس حق سبحانہ وتعالیٰ اہل ایمان کو ظلمات تدبیر سے انوار تفویض (حکم الٰہی کے سامنے گردن رکھنے) کی طرف لاتا ہے اور استقلال حق کو اضطراب باطل پر غالب کرتا ہے پس وہ اس باطل کے بنیادوں کو ہلا دیتا ہے اور اس کی عمارت کو گرا دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو زاهق

بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں حق کو جھوٹ پر پس وہ اس کا مغز توڑ دیتا ہے اور وہ باطل جاتا

رہتا ہے۔

ورنہ مومن پر اگرچہ اضطراب اور تدبیر کے خطرات آتے ہیں مگر وہ گذرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کو ثبات نہیں ہوتا اور مضمحل ہو جاتے ہیں، ان کا وجود نہیں رہتا، کیونکہ نور ایمان ان کے دلوں میں ٹھہر گیا ہے اور اس کے انوار نے ان کے سرکش نفوس کو دبا دیا ہے اور اس کی چمک نے ان کے قلوب کو بھر دیا ہے اور اس کی روشنی نے ان کے سینے کھول دیئے ہیں، پس ایمان جو ان کے دلوں میں جا ٹھہرا ہے وہ اور کسی کو نہیں جمنے دیتا بلکہ کبھی کچھ اونگھ سی ہو جاتی ہے جس میں تدبیر کی خیالی صورت کا آنا ممکن ہے، پھر ان کے دل جاگ اٹھتے ہیں، وہ خیالی صورت جو ایک خواب کی سی تھی جاتی رہتی ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ٥

یعنی جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں جب کوئی شیطانی خیال ان کو آ چھوتا ہے وہ فوراً چونک اٹھتے ہیں، پس اس وقت وہ سوجھ والے ہو جاتے ہیں۔

ف: مصنف کی اس آیت لطیف پر ذہن صیقل ہے جو قائدہ و نام سے معلوم ہوتا ہے اور اس آیت میں چند فوائد ہیں۔

فائدہ اول: اذا مسّھم سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل حالت تو ان کی یہی ہے کہ ایسے وساوس سے محفوظ رہتے ہیں اگر کبھی ایسا ہوتا ہے تو اتفاقاً ہوتا ہے جس میں ان کی ودیعت (امانت) ایمان کا اظہار ہوتا ہے جو ان کے قلب میں رکھی گئی ہے۔

وجہ معلوم ہونے کی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ وساوس میں گرفتار رہتے تو یوں نہ فرماتے کہ جب ان کو خیال چھوتا ہے اس فرمانے سے معلوم ہوا کہ پہلے نہ تھا پھر آ چھوا۔

فائدہ دوم: اِذَا مَسَّھُمْ فرمایا جس کے معنی ہیں چھونا اور مسکھم نہ فرمایا

مَسَّهُمْ نہیں فرمایا جس کے معنی ہیں پکڑنا، کیونکہ مس کہتے ہیں چھو لینے کو جس کو ثبات و
استقرار (پائیداری) نہ ہو، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شیطانی خیال ان کے دل میں
جمنے نہیں پاتا بلکہ یوں ہی ذرا چھو جاتا ہے۔ کافروں کی طرح ان کو پکڑ نہیں سکتا، وجہ
یہ کہ شیطان کفار پر تو غالب ہے اور اہل ایمان کے قلوب سے دبک کے بھاگتا ہے،
جس وقت عقل جو قلب کی پہرہ دار ہے سو جاتی ہے جب بیدار ہوتے ہیں تو قلوب
میں سے استغفار و زلت و اقتربت الی اللہ کے لشکر اٹھتے ہیں اور شیطان جو لے بھاگا
تھا، سب اس سے واپس کرتے ہیں اور اس نے جو چھپا تھا اس سے چھین لیتے ہیں۔

فائدہ سوم: طٰٓئِفٌ کا لفظ فرمانے میں اشارہ ہے کہ جو قلوب ہمیشہ بیدار رہتے ہیں
شیطان ان میں نہیں آ سکتا کیونکہ طیف سونے ہی میں ہوتا ہے جو کبھی قلوب پر غفلت
ہونے سے طاری ہو جاتا ہے اور جو سوتا نہیں اس کے پاس طیف بھی نہیں آتا۔

فائدہ چہارم: طٰٓئِفٌ فرمایا اور مَسَّهُمْ ولد دیا اس کا ہم معنی کوئی لفظ نہیں فرمایا
کیونکہ طیف کو ثبات وجود واقعی نہیں ہوتا بصرف ایک صورت مثالیہ بے حقیقت ہوتی
ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بتلا دیا کہ اس سے اہل تقویٰ کو نقصان نہیں ہوتا
کیونکہ شیطان نے جس چیز کو وارد کیا ہے وہ مثال طیف یعنی صورت خیالی کی ہے جو
خواب میں دیکھتے ہو جب جاگ اٹھے اس کا کچھ بھی وجود نہیں۔

فائدہ پنجم: تَذَكَّرُوْا فرمایا ذَكَرُوْا نہیں فرمایا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ
غفلت کو محض ذکر دفع نہیں کرتا جب تک دل متوجہ نہ ہو البتہ تذکر اور اعتبار یعنی
نصیحت کو قبول کرنا اور عبرت پکڑنا اس غفلت کو دفع کرتا ہے خواہ ذکر بھی نہ ہو وجہ یہ کہ
ذکر کا محل تو زبان ہے اور تذکر کا محل قلب ہے اور طیف کا ورود قلب پر ہوا نہ زبان پر تو
اس کی دفع کرنے والی چیز قلب ہی میں ہونی چاہیے کہ اس کے اثر کو مٹا دے اور وہ
تذکر ہے۔

فائدہ ششم: تذکر کا معمول حذف کر دیا یوں نہیں فرمایا:
تَذَكَّرُوا الْجَنَّةَ يَا تَذَكَّرُوا النَّارَ يَا تَذَكَّرُوا الْعُقُوْبَةَ

پیشتر اس کے، اس حذف میں بڑا فائدہ ہے وہ یہ کہ تذکر جو طیف کو اہل تقویٰ کے قلوب سے ملتا ہے وہ علی القدر مراتب یقین کے ہے اور مرتبہ تقویٰ میں انبیاء اور مرسلین اور اولیاء اور صدیقین اور صالحین اور مسلمین سب داخل ہیں، ہر ایک کا تقویٰ اس کے مقام وحال کے مطابق ہے لہٰذا ہر ایک کا تذکر اس کے مقام کے مناسب ہے۔ اگر تذکر کی کسی خاص قسم کو ذکر فرماتے تو صرف اسی قسم والے اس میں داخل ہوتے مثلاً اگر یوں فرماتے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ
تَذَكَّرُوا الْعُقُوْبَةَ فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ

تو جو لوگ ثواب سے تذکر حاصل کرتے ہیں وہ خارج ہو جاتے اور اگر فرماتے:

تَذَكَّرُوْا سَابِقَ الْاِحْسَانِ
یعنی یاد کرتے ہیں پہلے کے احسان کو۔

تو جو لوگ پچھلے احسان کو یاد کرتے ہیں وہ خارج ہو جاتے وعلیٰ ہذا القیاس، پس حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کا کوئی خاص معمول ذکر نہیں فرمایا تا کہ تمام مراتب کو شامل ہو جائے، اچھی طرح سمجھ لو۔

<u>فائدہ مہمہ:</u> تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ فرمایا یوں نہیں کہا:

تذکروا فابصروا یا تذکروا ثم ابصروا یا تذکروا وابصروا

پس واؤ سے تو اس لئے تعبیر نہیں فرمائی کہ اس سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ یہ ابصار یعنی توجہ بسبب تذکر کے ہوئی، حالانکہ مقصود یہی بیان کرنا ہے کہ تذکر کے سبب سے ابصار ہوتا کہ لوگوں کو اس کی رغبت ہو اور ثم اس لئے نہیں لائے کہ اگرچہ ثم اس میں وہی بات ہے جو واؤ میں مذکور ہوئی کہ سبب نہ معلوم ہوتی دوسرے اس سے مقصود ہی الٹ جاتا کیونکہ ثم سے مہلت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ ان کا ابصار تذکر سے تاخیر نہیں کرتا۔ بلکہ معاً تذکر کے ساتھ ہی ابصار ہے اور صرف فا اس

لئے نہیں لائے کہ وہ تعقیب کو مقتضی ہے۔ یعنی یہ بھی خلاف مقصود ہے، بلکہ فا کے ساتھ اذا بھی لائے اور یوں فرمایا: فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ہ گویا ہمیشہ سے صفت ابصار ہی پر رہے اس میں اللہ تعالیٰ ان کی تعریف فرماتا ہے اور ان پر کثرت احسان کو ظاہر فرماتا ہے۔ مثلاً یوں کہو

تذکر زید المسئلة فاذا هی صحیحة

یعنی زید کو مسئلہ یاد آیا تو وہ صحیح نکلا۔

مراد یہ ہے کہ پہلے ہی سے صحیح تھا اور اب بھی جب وہ معلوم ہوا صحیح ہے، ایسے ہی اہل تقویٰ پہلے سے اہل ابصار ہیں لیکن طیف ہوئی کے وارد ہونے سے ان کی بصیرت کو جس کا نور ان میں جاگزین ہے چھپا ڈالا تھا مگر وہ جو نکلے ابر غفلت چھٹ گیا اور آفتاب بصیرت چمک اٹھا۔

فائدہ ہشتم: اس آیت میں اور ایسے مضمون کی جتنی آیتیں ہیں ان میں اہل تقویٰ پر بڑی وسعت ہے اور اہل ایمان کے ساتھ بڑا لطف ہے کیونکہ اگر یوں فرماتے:

ان الذین اتقوا لا یمسهم طیف من الشیطان

یعنی اہل تقویٰ کو بھی شیطانی خیال لگتا ہی نہیں تو بجز معصوموں کے

گروہ انبیاء اور ملائکہ ہیں۔ سب خارج ہو جاتے لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے چاہا کہ اپنے دائرہ رحمت کو وسیع کرے اس لئے یوں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ

تاکہ تجھ کو معلوم ہو جائے کہ طیف کا آنا ان کو حکم تقویٰ سے اور ان پر اس نام کے جاری ہونے سے نہیں نکالتا بلکہ وہ جلدی سے تذکر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف تبصر کے ساتھ رجوع کریں اور اسی آیت کے مماثل وسعت رجاء میں دوسری یہ آیت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ہ

یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اور پاک ہو جانے والوں کو پیار کرتا ہے۔

اور یوں نہیں فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ لَا يذنبون کہ اللہ تعالیٰ گناہ نہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسے فرماتے تو تھوڑے سے لوگ داخل ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو کچھ بندوں کی ترکیب (طبیعت) میں غفلت رکھی گئی ہے۔ اور جو غلاف ورزی یا دوادانائی کا مقتضا ہے کیونکہ مختلف خلطوں سے بنا ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝

یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے ہلکا بوجھ کرے اور آدمی بہت کمزور پیدا ہوا ہے۔
اور بعض اہل علم نے یوں تفسیر کی ہے یعنی غلبۂ شہوت کے وقت اپنے اختیار میں نہیں رہتا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ

یعنی اللہ تعالیٰ تم کو خوب جانتا ہے جبکہ پیدا کیا تم کو زمین سے اور جبکہ تم ماں کے پیٹ میں بچے تھے۔

چونکہ معلوم تھا کہ انسان پر خطا غالب ہے اس لئے باب توبہ کو کشادہ فرمایا (توبہ کا دروازہ پوری طرح کھول دیا گیا) اور لوگوں کو اس کی راہ بتائی اور اس کی طرف بلایا اور وعدہ فرمایا کہ توبہ کرو قبول کریں گے ہم، اور رجوع کرو متوجہ ہوں گے ہم، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے۔ كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاؤُنَ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ یعنی تمام بنی آدم خطاوار ہیں اور اچھے خطاوار وہ ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں پس حضرت پیغمبر ﷺ نے یہ بات جتا دی کہ خطا تیرے وجود کو لازم ہے بلکہ تیرا عین وجود ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا

عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۝

یعنی ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی بے حیائی کر گزرتے ہیں یا اپنی جانوں پر ستم کرتے ہیں اسی وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ پس بخشش چاہتے ہیں اپنے گناہوں کی اور خدا کے سوا گناہوں کو کون بخشتا ہے؟ اور ہٹ نہیں کرتے اپنے فعل پر اور وہ جانتے ہیں۔

یوں نہیں فرمایا: والذین لا یمسون الفاحشۃ۔ یعنی بالکل گناہ نہیں کرتے۔

اور فرمایا:

وَإِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ۝

یعنی جب ان کو غصہ آتا ہے معاف کر دیتے ہیں۔

یوں نہیں فرمایا لا یغضبون یعنی غصہ ہی نہیں آتا اور فرمایا:

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ یعنی غصہ کو ضبط کرنے والے۔

یوں نہیں فرمایا والذین لا غیظ لہم۔ یعنی جن کو غصہ ہی نہیں اس کو خوب سمجھ اللہ تعالیٰ کی تجھ پر مہر ہو یہ کھلے اسرار ہیں اور یہی امور ہیں۔

فائدہ نمبر ۲: بیان مراتب متذکرین کا اہل تقویٰ سے۔ کیونکہ تذکر ایک مفہوم عام ہے۔ جب اس کو کسی معمول کے ساتھ مقید نہیں کیا، اپنی جمیع جزئیات کو شامل ہو گیا۔ جاننا چاہیے کہ اہل تقویٰ کو جب کوئی شیطانی خیال آ لپٹتا ہے ان کو تقویٰ مولیٰ کی نافرمانی پر اصرار نہیں کرنے دیتا بلکہ ان کا تذکر یعنی یادداشت ان کو مولیٰ کی طرف پھیر لاتا ہے اور ان کا تذکر کئی قسم پر ہے بعض لوگ ثواب کو یاد کر لیتے ہیں، بعضے عقاب کو، بعضے حساب پیشے کھڑے ہونے کو، بعضے ترک معصیت (گناہ چھوڑنے) کے بڑے ثواب کو، بعضے احسان گزشتہ کو یاد کر کے نافرمانی سے شرما جاتے ہیں، بعضے مابعد (باقی ماندہ زندگی میں ہونے والے) کے احسان کو یاد کر کے اس کے عوض کفران (احسان کے بدلہ میں محسن کی نافرمانی) کرتے ہوئے شرما جاتے ہیں، بعضے اللہ کا قرب یاد کرتے ہیں، بعضے اللہ تعالیٰ کے محیط ہونے کو یاد کرتے ہیں، بعضے

اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کو یاد کرتے ہیں، بعض اللہ تعالیٰ کے عہد کو یاد کرتے ہیں، بعض لذت گناہ کا فانی ہونا اور اس کے ضرر کا باقی رہنا یاد کرتے ہیں، بعض نافرمانی کے وبال و رسوائی کو یاد کرکے اس کو ترک کر دیتے ہیں، بعض فرمانبرداری کے فوائد و عزت کو یاد کرکے اس سے بچتے ہیں، بعض اللہ کی قیومیت کو یاد کرتے ہیں، بعض اللہ تعالیٰ کی عظمت اور سلطنت کو یاد کرتے ہیں علیٰ ھذا القیاس جن جن چیزوں سے تذکر متعلق ہو سکتا ہے اور ان کا حصر نہیں ہے ہم نے اتنا بھی اس واسطے لکھ دیا کہ اہل التقویٰ کے احوال سے تم کو کچھ مناسبت ہو اور اہل بصیرت کے مقامات پر کچھ آگاہی ہو خوب سمجھ لو۔

فائدہ دوم: ہو سکتا ہے کہ آیت میں مراد طیف سے وہ وسوسہ خطرہ نفسانی ہو جو شیطان کے القاء سے آ جاتا ہے۔ اور تقریر گزشتہ میں طیف سے مراد صورت خیالی تھی جو خواب میں نمودار ہوتی ہے۔ پس خطرہ کو طیف اس واسطے کہا کہ یہ قلب میں طواف کرتا ہے، دوسری قرأت سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے: اذا مسھم طٰئف۔ یہ وزن فاعل ہے، پس ایک قرأت دوسری قرأت کی مفسر بن جائے گی۔ اور وسوسہ قلب کے گرد گھومتا ہے اگر دیوار یقین میں کسی رخنہ سے اس کو راستہ مل جاتا تو اندر گھس جاتا ہے ورنہ چل دیتا ہے اور مثال مقامات یقین اور نور یقین کی جو ان مقامات کو محیط ہے ایسی ہے جیسے شہر پناہ کی دیواریں کہ شہر اور قلعہ کو گھیرے ہوئے ہیں، پس دیواریں تو انوار ہیں اور قلعہ جات مقامات یقین ہیں کہ شہر قلب کو گھیرے ہوئے ہیں، پس جس شخص کے قلب کو دیوار یقین گھیرے ہوئے ہے اور اس نے مقامات یقین کو مثل قلعہ کے نوری اوٹے ہیں درست کر لیا اس شخص تک شیطان کی رسائی نہیں اور اس کے گھر نہیں اس کا ٹھکانا نہیں۔ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا فرمانا نہیں سنا۔

ان عبادی لیس لک علیھم سلطان

یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں۔

یعنی انہوں نے عبودیت ٹھیک کر لیا اس لئے نہ وہ میرے حکم سے منازعت
کرتے ہیں نہ میری تدبیر میں معارضہ کرتے ہیں بلکہ مجھ پر توکل کرتے ہیں اور اپنے
کو میرے حوالے کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ان کی رعایت و نصرت اور حمایت
فرماتا ہے اور انہوں نے اپنی ہمتیں اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں، اللہ تعالیٰ بھی ان
کو سب سے کافی ہو گیا، کسی عارف سے پوچھا گیا تمہاری شیطان کے ساتھ مجاہدے
کی کیا کیفیت ہے؟ جواب دیا شیطان کون بلا ہے، ہم وہ لوگ ہیں کہ اپنی تمام ہمتیں
اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دیں اس نے سب سے بڑی کفالت کی۔

ف: یعنی ہم کو مجاہدے کی حاجت نہیں اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ ہی نمٹ لیتا
ہے۔ میں نے اپنے شیخ ابو العباس رحمۃ اللہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے جب اللہ نے
یہ فرمایا۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا

یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے تم اس کو دشمن سمجھو۔

پس بعض لوگ اس خطاب سے یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے شیطان کے
ساتھ عداوت کرنا مطلوب ہے انہوں نے اپنی تمام ہمتیں اس میں مصروف کر دیں
اس نے ان کو محبوب کی محبت سے غافل کر دیا اور بعض لوگ یوں سمجھے کہ شیطان تمہارا
دشمن ہے اور میں دوست ہوں۔۔

لان الاشياء تعرف باضدادها، وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت میں لگ
گئے اللہ تعالیٰ ان کو سب سے کافی ہو گیا، بعد اس کے عارف کی حکایت بیان فرماتی ہے
لوگ اگر شیطان سے پناہ مانگتے ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے نہ
اس لئے کہ یہ لوگ غیر اللہ کیلئے کچھ تصرف دیکھتے ہوں اور وہ لوگ غیر اللہ کیلئے کیسے
تصرف دیکھ سکتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کو قریب ہوتے دیکھتے ہیں۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ

یعنی بات کسی کی نہیں چلتی سوائے اللہ کے اس نے فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی

عبادت نہ کرو۔

اور فرمایا حق تعالیٰ نے:

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝

یعنی شیطان کا داؤ بالکل بودا ہے۔

اور فرمایا

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ

یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کچھ بس نہ چلے گا۔

اور فرمایا

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝

یعنی شیطان کا قابو ان پر نہیں چلتا جو یقین رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں

اور فرمایا:

وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ

یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرے وہ اس کو کفایت کرتا ہے۔

اور فرمایا:

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۝

یعنی اللہ تعالیٰ ایمان کا دوست ہے نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف۔۔۔

اور فرمایا:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

یعنی ہمارے ذمہ ہے حمایت کرنا ایمان والوں کی۔

پس ان آیتوں نے اور جو ایسے مضمون کی ہیں مومنین کے قلوب مضبوط کر دیئے اور ان کی کھلی مدد کی پس اگر شیطان سے پناہ مانگتے ہیں تو صرف حق تعالیٰ کے فرمانے سے اور اگر نور ایمان سے اس پر غالب ہوتے ہیں تو اس کی مدد سے

ہے جس کی طرف اسباب عصیان اور وجوہ کفران وغفلت ونسیان کو منسوب کیا جاتا ہے تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ. یعنی یوشع علیہ السلام بولے مجھ کو یہ بات شیطان کے سوا کسی نے نہیں بھلائی اور فرمایا هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ. یعنی موسیٰ علیہ السلام بولے کہ قبطی کا خون شیطان کے عمل سے ہوا۔ پس راز حکمت اس ایجاد میں یہ ہوا تو انکی نسبت ہی کا محل وکیل اس سے پوچھا جائے اسی لئے عارفین نے فرمایا ہے کہ شیطان اس عالم کی صافی ہے کہ تمام گناہوں اور زشت و ناپاک اعمال کا محل اس سے پونچھ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اگر منظور ہوتا کہ معصیت نہ ہو تو ابلیس کو پیدا نہ کرتا اور شیخ ابوالحسن فرماتے ہیں شیطان مثل نر کے اور نفس مثل مادہ کے دونوں کے درمیان گناہ کا پیدا ہونا ایسا ہے جیسے ماں باپ کے درمیان بچے کا پیدا ہونا، پس جس کے ماں باپ نے بچے کو ایجاد کیا بلکہ ان سے بچے کا ظہور ہوا مطلب شیخ کے اس کلام کا یہ ہے کہ جیسا کسی عاقل کو اس بات میں شک نہیں کہ بچہ ماں باپ کا پیدا کیا ہوا ہے یا ایجاد کیا ہوا نہیں مگر چونکہ ان دونوں سے اس کا ظہور ہوا ہے اس لئے ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی مومن کو اس میں شک نہیں کہ معصیت نفس و شیطان کی پیدا کی ہوئی نہیں بلکہ ان سے اس کا ظہور ہوا ہے۔ اسی وجہ سے ان کی طرف معصیت کی نسبت ہوتی ہے اور یہ نسبت اضافی اور اسنادی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت خلقی اور ایجادی ہے، جیسا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اطاعت کو پیدا کرتا ہے ایسا ہی اپنے عدل سے معصیت کو پیدا کرتا ہے خود ارشاد ہوا:

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ فَمَا لِهَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا

یعنی اے محمد ﷺ کہہ دو کہ سب خدا ہی کی طرف سے ہے، پس ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے بات نہیں سمجھتے۔

اور فرمایا۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ یعنی اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور فرمایا۔

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ یعنی سوائے اللہ کے اور بھی کوئی پیدا کرنے والا ہے۔

اور فرمایا۔

اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ۝

یعنی کیا پیدا کرنے والا اور نہ پیدا کرنے والا برابر ہے کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔

اور آیت کریمہ بعض اہل بدعت کی جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ اطاعت کا خالق ہے اور معصیت کا خالق نہیں ہے۔

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ   یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی۔

ف: لفظ ما عام ہے اطاعت و معصیت دونوں کو شامل ہے۔ اگر وہ لوگ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ   یعنی اللہ تعالیٰ بری بات کا حکم نہیں دیتا۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ امر اور ہے اور قضا اور ہے۔

ف: یعنی امر کہتے ہیں حکم تشریعی کو اور قضا کہتے ہیں حکم تکوینی کو اس آیت سے نفی امر کی ہوئی اور اہل سنت مدعی قضا کے ہیں۔

اگر وہ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ

یعنی جو بھلائی تجھ کو پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری طرف سے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بندوں کو ادب سکھانا مقصود ہے پس ہم کو حکم ہے کہ اچھی چیزیں اس کی طرف منسوب کیا کریں کیونکہ اس کے وجود حق کے لائق یہی ہے۔ اور بری چیزیں اپنی طرف منسوب کیا کریں کیونکہ ہمارے وجود باطل کے مناسب یہی ہے یہ حسن ادب ہے۔

قصہ حضرت خضر علیہ السلام: جیسا خضر علیہ السلام نے فرمایا:

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا

یعنی کشتی کا توڑنے میں تو یوں کہا کہ میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں اور بنائے دیوار کے قصے میں یوں کہا کہ تیرے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں یتیم اپنی جوانی کو پہنچ جائیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے یوں فرمایا: وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ یعنی جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھ کو شفا دیتا ہے۔ اور حضرت خضر علیہ السلام نے یوں نہیں کہا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّعِيْبَهَا یعنی تیرے رب نے اس کشتی کو عیب دار کرنا چاہا جیسے یتیموں کے قصے میں کہا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا یعنی عیب کو اپنی طرف منسوب کیا اور اچھی بات کو اپنے مولیٰ کی طرف۔ ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں نہیں فرمایا وَاِذَا اَمْرَضَنِیْ فَهُوَ يَشْفِيْنِ یعنی جب وہ مجھ کو بیمار کرتا ہے تو شفا بھی عطا کرتا ہے۔ بلکہ یوں فرمایا: وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ مرض کو اپنی طرف منسوب کیا اور شفا کو اپنے رب کی طرف باوجودیکہ مرض کا خالق اور فاعل حقیقی وہی ہے۔ اور مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ سے یہ ہیں کہ بھلائی اللہ کی طرف سے ہے یعنی از روئے خلق ایجاد کے وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۔ کے یہ معنی ہیں کہ برائی تیری طرف سے ہے یعنی از روئے اضافت و ادب کے جیسے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ اَلْخَيْرُ بِيَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ ۔ یعنی خیر تو تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر تیری طرف منسوب نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ خالق خیر و شر اور نفع و ضرر کا اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن تعبیر میں ادب کی رعایت کی اور یوں فرمایا: اَلْخَيْرُ بِيَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ جیسا ہم نے اوپر بیان کیا خوب سمجھ لے اگر وہ لوگ اعتراض کریں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ معصیت پیدا کرنے سے بھی پاک ہے کیونکہ معصیت قبیح ہے اور حق تعالیٰ قبائح کے پیدا کرنے سے پاک ہے۔ ہم جواب دیں گے کہ معصیت بندے کے اعتبار سے فعل قبیح ہے کیونکہ حکم کی مخالفت ہے ورنہ فی نفسہ خود فعل معصیت کی عین ذات میں قبح نہیں ہوتا بلکہ بسبب تعلق نہی کے اس فعل میں قبح ہو جاتا ہے جیسے حسن کہ فعل مامور بہ کی ذات سے متعلق نہیں ہوتا بسبب تعلق امر کے ہو جاتا ہے، ایسے ہی صورتا

سمجھ لو۔ اور حق تعالیٰ کے اعتبار سے وہ ایک مخلوق ہے کہ اس نسبت میں حسن و قبح دونوں مساوی ہیں۔

کفر ہم نسبت بخالق حکمت ست　　چوں بما نسبت کنی کفر آفت ست

پھر اہل بدعت نے جو اللہ تعالیٰ کی یہ تنزیہ کی ہے کہ معاصی کے پیدا کرنے سے وہ منزہ ہے اس تنزیہ سے اس کی تنزیہ کرنا واجب ہے۔ یعنی کہ جب دونوں کہیں کہ برتر ہے اللہ اس امر سے کہ معصیت کو پیدا کرے ہم مقابلہ میں کہیں گے کہ برتر ہے اللہ تعالیٰ اس امر سے کہ اس کے ملک میں بغیر اس کے ارادے کے کوئی چیز ہو جائے۔

یعنی اگر معصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ملک میں اس کے خلاف ارادہ دوسروں کا تصرف چل سکتا ہے یہ تو عین نقصان ہے عجز ہے۔

دوستی بے خرد چوں دشمنی ست　　حق تعالیٰ زیں چنیں خدمت غنی ست

خوب سمجھ لو اللہ تعالیٰ ہم تم کو سیدھی راہ دکھائے اور دین راست پر اپنے فضل سے قائم رکھے۔

تقریر و بیان جس میں تو اعد تدبیر و منازعت تقدیر کا ذکر ہے

فرمایا اللہ تعالیٰ نے

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور فرمایا: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

اور فرمایا: مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ اور فرمایا: فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا۔ اور فرمایا: فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِىَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ۔ اور فرمایا: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ اور فرمایا: وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗ

تدبیر پر اور بجائے اپنی نگہبانی کے اللہ کی نگہبانی پر اور بجائے اپنی دعا کے اللہ کے علم پر اکتفا کیا کیونکہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جمیع احوال میں ان پر بصیر ہے۔ پس خدائے تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف فرمائی اس قول سے۔

وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى یعنی ایسے ابراہیم جنہوں نے اپنا قول پورا کیا۔

اور ان کو اس آگ سے بھی نجات دی جس کی خبر خود دیتے ہیں۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ

یعنی ہم نے حکم دیا کہ اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر۔

اہل علم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ لفظ سلاما نہ فرماتے تو اتنی سرد ہو جاتی کہ ہلاک کر دیتی، پس وہ آگ بجھ گئی۔ اہل سیر نے کہا ہے کوئی آگ مشرق و مغرب میں نہ تھی جو بجھ نہ گئی ہو ہر ایک نے یہی خیال کیا کہ شاید مجھ کو خطاب ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ صرف بیڑیاں اس آگ سے جل گئیں۔

<u>فائدہ جلیلہ:</u> ابراہیم علیہ السلام کا جواب دیکھنے کے قابل ہے کہ جب ان سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کو کچھ حاجت ہے تو یوں فرمایا تم سے حاجت نہیں اور یوں نہیں فرمایا کہ مجھے حاجت نہیں کیونکہ مقام رسالت و خلت کا مقتضیٰ یہ ہے عبودیت صرف بجا لائے اور مقام عبودیت کے لوازم سے یہ ہے کہ اللہ کی طرف حاجت ظاہر کرے اور احتیاج کے ساتھ اس کے روبرو کھڑا ہو اور اس کے ماسوائے قصداً منہ پھیرے۔ پس یہی جواب مناسب تھا کہ تم سے حاجت نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا تو محتاج ہوں مگر تمہارا نہیں۔ پس ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کلام میں دونوں باتیں جمع کر دیں اللہ کی طرف احتیاج کا ظاہر کرنا اور ماسوا (یعنی اللہ کے علاوہ اور سب) سے قصداً منہ پھیر لینا۔

<u>ایک شبہ کا جواب:</u> وہ بات نہیں جو بعض لوگوں نے کہی ہے صوفی صوفی نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو اللہ سے بھی حاجت نہ رہے اور یہ کلام متقدمین اور اہل تحقیق کی شان کے لائق نہیں اگرچہ دلیل اس کی یہ حق ہے کہ مراد یہ ہے کہ صوفی کو

یقین ہو چکا ہو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کی تمام حاجتیں پوری فرما چکا ہے تو جو حاجت ہے وہ ازل میں پوری ہو چکی ہے اور حاجت کی نفی سے احتیاج کی نفی لازم نہیں آتی۔

فائدہ: حاصل یہ کہ بندے کو اللہ کی طرف احتیاج ضرور ہے خواہ حاجت پوری ہو چکی ہو یا نہ ہو چکی ہو اور قائل مذکور نے حاجت کی نفی کی ہے نہ کہ احتیاج کی جو کہ لوازم عبدیت سے ہے۔ اور دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ جو کہا اللہ سے اس کو حاجت نہ ہو مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کو خود طلب کرتا ہے کوئی حاجت اس سے طلب نہیں کرتا اور بڑا فرق ہے اس میں جو خود اللہ کا طالب ہو اور جو اللہ سے طالب ہو اور تیسری تاویل اس کی یہ ہو سکتی ہے کہ یہ جو کہا کہ اللہ سے اس کو حاجت نہ ہو ہے مطلب یہ کہ اس ہمہ تن اپنے کو اس کے سپرد کر دیا اور اس کے آگے گردن جھکا دی پس اس کی مراد وہی ہے جو اللہ کی مراد ہے۔ یعنی اپنی طرف سے کوئی حاجت نہیں مانگتا بوجہ غلبہ مقام رضا کے۔

دوسرا فائدہ جلیلہ: جب جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کیا تم کو کچھ حاجت ہے اور انھوں نے جواب دیا کہ تم سے تو کچھ حاجت نہیں ہاں اللہ سے ہے بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اس جواب سے حضرت جبرائیل علیہ السلام سمجھے کہ مجھ سے مدد نہ چاہیں گے، اور ان کا قلب بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو مشاہدہ نہیں کرتا اس واسطے عرض کیا کہ اچھا اسی سے سوال کرو یعنی اگر آپ نے یہ بات لازم ٹھہرا رکھی ہے کہ وسائط سے کچھ نہ چاہوں گا اور اس وجہ سے مجھ سے مدد نہیں چاہتے تو اپنے رب ہی سے سوال کرو کیونکہ وہ آپ کے ساتھ مجھ سے بھی زیادہ نزدیک ہے ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرا حال اس کو معلوم ہونا میرے مانگنے سے کفایت کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ میں نے غور کر کے دیکھا تو اس کو اپنے ساتھ سوال سے بھی زیادہ نزدیک پایا اور سوال کو وسائط سے دیکھا اور میں سوا اس کے اور کسی چیز سے تمسک کرنا نہیں چاہتا، دوسرے یہ کہ مجھ کو یقین ہے کہ

اللہ تعالیٰ جانتا ہے، پھر سوال کر کے یاد دلانے کی حاجت نہیں اور اس سے رعایت نہ فرمانے کا احتمال نہیں اس لئے میں نے سوال کی بجائے علم الہٰی پر اکتفا کیا اور یقین کر لیا کہ وہ مجھ کو اپنے لطف سے کسی حال میں نہ چھوڑے گا۔ یہی ہے اکتفا کرنا اللہ تعالیٰ پر اور ادا کرنا کلمہ حسبی اللہ کے حقوق کا۔

شیخ کا مقولہ: ہمارے شیخ ابو العباسؒ فرماتے تھے اس آیت کی تفسیر میں وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی کہ ابراہیم نے پورا کر دیا حسبی اللہ کے مقتضا کو۔

یعنی جبرائیلؑ کے جواب میں جو فرمایا حسبی اس پر جمے رہے اور کسی پر نظر نہیں کی۔ اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ کھانا دیا مہمان کو اور بیٹا دیا قربان ہونے کو اور بدن دیا آتش سوزاں کو اس پر اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی۔ وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی سے آلایہ

انسان کی خلافت الٰہی

جاننا چاہئے کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں سے یہ فرمایا کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں یعنی آدمؑ اور اولاد آدم فرشتوں نے کہا آپ ایسے شخص کو زمین میں پیدا کرتے ہیں جو اس میں خون ریزی اور فساد کرے گا اور ہم تسبیح وتحمید وتقدیس کرتے ہیں یعنی ہم کو خلیفہ بنا دیجئے جواب میں ارشاد ہوا کہ: ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ تم نہیں جانتے۔ پس ابراہیم علیہ السلام کا جبرائیل علیہ السلام سے عدم مانگنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں پر بڑی بھاری حجت ہوئی گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہاں ہیں جنہوں نے آدمی پر اعتراض کیا تھا کہ یہ فساد وخون ریزی کریں گے تم نے میرے بندے ابراہیم کو کیسا دیکھا۔ اس سے اس قول کی تشریح ہوگئی کہ ہم جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے۔ حدیث شریف میں آیا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: نوبت بہ نوبت آتے ہیں فرشتے رات میں اور دن میں جو فرشتے رات کو دنیا میں رہے تھے وہ آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم جب تھے

تھے تب بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ (یعنی عصر کی) اور جب چھوڑ کر آئے ہیں تب بھی وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔ (یعنی فجر کی) کیونکہ بدلی انہی دو وقتوں میں ہوتی ہے۔

فائدہ: شیخ ابو الحسنؒ نے فرمایا: گویا اللہ تعالیٰ کے پوچھنے کے یہ معنی ہیں کہ اے معترضین تم نے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ پس جبرائیل علیہ السلام کے بھیجنے سے حق سبحانہ وتعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ خلیل علیہ السلام کا رتبہ اور شرف وعظمت ملائکہ کے آگے ظاہر کر دیں اور بھلا ابراہیم علیہ السلام کیسے کسی غیر سے مدد چاہتے، وہ تو اسی کو دیکھتے تھے اور کسی کا مشاہدہ نہ کرتے تھے اور خلیل کو خلیل اسی واسطے کہتے ہیں کہ ان کے خلل قلب میں یعنی رگ و ریشہ میں اللہ کی محبت اور عظمت اور احدیت سمائی تھی، کسی غیر کی گنجائش نہیں رہی تھی، جیسے کسی کا قول ہے۔

مثل جاں مجھ میں ہو گیا پیوست ہے اسی سے خلیل نعت تیری
بولتا ہوں تو ہے تو میرا کلام روزہ رکھوں تو تشنگی ہے مری

تنبیہ: جاننا چاہیے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے قلب کو نور رضا سے منور کر دیا تھا اور ان کی روح کو استسلام عطا فرمائی تھی اور ان کے قلب کو نظر الی الخلق (اللہ کے سوا کسی کے بھی طرف دیکھنے) سے محفوظ رکھا تھا۔ پس آگ اسی لئے ان پر سرد و سلامتی والی ہو گئی کہ ان کا قلب اطاعت کے ساتھ اللہ کے سپرد ہو گیا، پس استسلام سے رتبے سلامت اور باطن مقام کے ٹھیک کرنے سے ہوئی یہ عزت و کرامت۔ پس یہاں سے مومن کو سمجھنا چاہیے جو مواقع امتحان میں اللہ کی اطاعت اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نار کو گل اور خوف کو امان کر دیتا ہے، پس جب شیطان تجھ کو منجنیق امتحان میں پھینکنا چاہے اور کائنات تیرے روبرو آ کر دریافت کرے کہ تجھ کو کچھ حاجت ہے، تو یہی جواب دینا کہ تم سے کچھ حاجت نہیں، ہاں اللہ سے ہے۔ اگر کائنات یہ کہیں کہ اللہ ہی سے سوال کر لے تو اس کا جواب دینا کہ اس کا علم میرے سوال سے کفایت کرتا ہے، اگر تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ آتش دنیا کو سرد و سلامتی کر دے گا اور منت و کرامت تم کو عطا فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انبیاء اور

مرسلین کے ذریعہ سے ہدایت کے رستے کشادہ کئے ہیں پس اہل ایمان ان کی راہ چلے اور اہل یقین نے ان کی پیروی کو لازم جانا، جیسے اللہ کا ارشاد ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ

یعنی کہہ دو اے محمد ﷺ یہ میرا راستہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف میں بھی سوجھ والا ہوں اور میری اتباع کرنے والے بھی

اور یونس علیہ السلام کی شان میں فرمایا:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

یعنی ہم نے ان کی دعا قبول کی اور غم سے نجات دی اور اہل ایمان کو ہم یونہی نجات دیا کرتے ہیں۔

یعنی جو اہل ایمان قدم بقدم یونس علیہ السلام کے چلتے ہیں اور ان کے انوار کے مشتاق ہیں اور اللہ سے ذلت واحتیاج کے ساتھ مانگتے ہیں اور مسکنت اور انکسار کا سایاں پہنچتے ہیں ہم ان اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔

نتیجہ واقعہ خلیل سے: ابراہیم علیہ السلام کے اس قصہ میں بیان ہے عبرت والوں کو اور ہدایت ہے بصیرت والوں کو اور وہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی تدبیر سے نکلا ہے اللہ اس کیلئے بخوبی تدبیر کرتا ہے۔ دیکھو! ابراہیمؑ نے چونکہ اپنی ذات کیلئے تدبیر واجتہاد نہیں کیا بلکہ اللہ کے حوالے کر کے اس پر توکل کیا انجام اس اطاعت کا سلامتی اور عزت اور تعریف کا باقی رہنا مدت گزر جانے پر ہوا اور ہم کو اللہ کا حکم ہے کہ ان کی ملت سے خارج نہ ہوں اور ان کے نام رکھنے کا لحاظ رکھیں جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ

یعنی ملت اختیار کرو اپنے باپ ابراہیم کی انھوں نے ہی تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

پس جو شخص ایسا نیک ہو اس کو سزاوار ہے کہ اپنے لئے تدبیر کرنے سے بری ہو اور اعتراض سے خالی ہو اور ملت ابراہیم سے وہی اعراض کرے گا جو سفیہ ہے اور اس کی ملت کو لازم ہے تفویض الی اللہ (یعنی اللہ کے سپرد ہو جانا) اور اطاعت فی احکام اللہ اور جاننا چاہیے کہ مقصود اعظم یہ ہے کہ اللہ کے آگے کوئی مراد باقی نہ رہے اور ہمارے اس مضمون میں اشعار ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ان اشعار میں اللہ تعالیٰ کو متکلم اور بندے کو مخاطب قرار دیا ہے گویا اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتا ہے وہ اشعار یہ ہیں۔

چاہتا ہوں دے مراد اپنی بھلا رشد کا رستہ اگر ہے چاہتا
چھوڑ دے اپنا وجود اس گوشہ دیکھ تھام لے مضبوط حلقہ صبر کا
کب تلک مجھ سے ہے غفلت میں تو یوں تیری الفت اور رعایت میں سدا
کب تلک دیکھے گا مخلوقات کو اور پھرے گا جنگلوں میں سر دھنتا
میرے در کو چھوڑ جاتا ہے کہاں راہ سے بے راہ کیوں تو ہوگیا
ہے تعلق تجھ سے میری دوستی عہد "قالوا" حق میں میرے کیا ہوا
ہے تیرا رب کوئی جس سے ہو امید لے تجھے محشر کی سختی سے بچا
جس قدر مخلوق ہے عاجز ہے سب کر رہا عاجز کو ہے حاجت روا
مجھ سے سب مخلوق کو ہے گا قیام "کن" سے ہے ظاہر مظاہر کو کیا
میرے گھر میں اور میرے ملک میں اعتماد اوروں پہ ہے تو نے کیا
چشم ایمان تیز کر اور دیکھ تو!! خلق ساری ہوتی جاتی ہے فنا
ہے عدم سے راستہ سوئے عدم تو بھی اس میں جائے گا بیشک چلا
تجھ پہ ہے فاقت مرادہ مت اتار اور رخ امید خلقت سے ہٹا
میرے در پہ لا امیدیں اپنی سب ہاں تجھ سے کچھ نہیں میں مانگتا
دیکھ اپنی حیثیت اور رہ ذلیل آرزو سب تیری آوے گی بر آ
بندہ بن جا بندہ ہوجاتا ہے خوش جو کہ مولا نے اٹھا کر دے دیا

وصف سے اپنے مٹادوں تیرا وصف | دوں عناد و جہل کی تجھ کو سزا
کیا تو میرے ملک میں، ہے گا شریک | جو وضوح حق پہ بھی جھگڑا کیا
گر رسائی چاہے اس دربار کی | بس عدو ہو جا تو اپنے نفس کا
ڈوب بحر نیستی میں ہم کو دیکھ | پھر محشر تو ہم کو اپنا بنا
ہم سے گر باران رحمت تو طلب | دیکھ پھر کرتے ہیں ہم احسان کیا
غیر سے مت کر ہدایت تو طلب | ہے کوئی بتلائے تجھ کو راستہ؟

تدبیر کی قسمیں: جاننا چاہیے کہ تدبیر دو قسم کی ہے، ایک تدبیر محمود، دوسری تدبیر مذموم، تدبیر مذموم تو وہ تدبیر ہے جس کا حظ تمہاری طرف لوٹ کر آئے اور ادائے حق اللہ کیلئے نہ ہو، جیسے تدبیر کرنا کسی گناہ کی تحصیل میں یا کسی حظ نفسانی میں غفلت کے ساتھ یا کسی اطاعت میں نمائش اور شہرت کے ساتھ اور مثل اس کے یہ تمام تر مذموم ہیں تو اس وجہ سے کہ اس سے استحقاق عذاب (یعنی عذاب کا مستحق) ہوتا ہے یا اسلئے کہ۔۔۔ اس سے وقوع حجاب (یعنی خدا کی ناراضگی کا سبب) ہوتا ہے اور جو شخص نعمت عقل کو پہونچے گا وہ اس کو ایسی تدبیر میں صرف کرتے ہوئے شرمائے گا جو اس کو قرب الٰہی تک نہ پہنچائے اور اس کی محبت کا سبب نہ بن جائے اور جتنی چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنی منت (احسان) سے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں عقل ان سب میں افضل ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرکے ان پر دو چیزوں سے فضل فرمایا ہے ایک ایجاد اور دوسرا دوام امداد یعنی اول وجود عطا فرمانا پھر اس کو بقا دینا۔ اور ہر مخلوق کیلئے ان دو نعمتوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ نعمت ایجاد

۲۔ نعمت امداد

اس تقریر سے اللہ تعالیٰ کے قول کے معنی بھی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

یعنی میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

فائدہ: یہ وہی رحمت ہے جو مذکور ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ ان دونوں قسموں میں تمام مخلوق شریک تھی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ایک کو دوسری سے امتیاز دے تا کہ تعلقات ارادہ و مشیت کی وسعت ظاہر ہو جائے۔ پس بعض موجودات کو توصیف نمو یعنی بڑھوتری سے ممتاز کیا۔ جیسے نباتات و حیوانات و انسان، پس بہ نسبت موجودات غیر نامیہ کے یعنی جن میں نمو نہیں ان تینوں میں قدرت کا زیادہ ظہور ہے۔

کیونکہ ان میں ایک وصف یعنی نمو زیادہ ہے۔ پھر چونکہ یہ تینوں وصف نمو میں شریک تھے حیوانات اور انسان کو حیات دے کر نباتات سے امتیاز دیا اب اس وصف میں حیوان اور آدمی شریک رہے تو بہ نسبت نباتات کے ان دونوں میں ظہور قدرت زیادہ ہوا اب یہ منظور ہوا کہ آدمی کو حیوان سے بھی ممتاز کرے پس اس کو عقل عطا فرمادی۔ اور اس کی وجہ سے تمام حیوانات پر بزرگی بخشی اور اس کی بدولت اپنی نعمت انسان پر کامل فرمائی اور عقل ہی کی افزونی اور روشنی سے دونوں جہان کے کام بنتے ہیں۔ پھر اس نعمت عقل کا تدبیر دنیا میں صرف کرنا جو اللہ کے نزدیک بالکل بے قدر ہے اس نعمت کی بڑی ناشکری ہے۔ اور معاد کے اہتمام و اصلاح میں اس کو لگا دینا واسطے ادائے حق محسن کے کہ جس سے اس نور کا فیضان ہوا نہایت مناسب ہے پس اپنی عقل کو جو اللہ نے اپنی رحمت سے دی ہے تدبیر دنیا میں مت صرف کر جس کے حق میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

الدنیا جیفۃ قذرۃ یعنی دنیا مردار گندگی ہے۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ضحاک سے تمہاری غذا کیا ہے؟ عرض کیا کہ گوشت اور دودھ یا رسول اللہ۔ فرمایا: پھر کیا ہو جاتا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ جانتے ہیں جو ہو جاتا ہے۔ فرمایا: آدمی سے جو نجاست نکلتی ہے اس کو اللہ نے دنیا کے مثال بنایا ہے۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک اتنی بھی ہوتی جتنی مچھر کا پر تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ پلاتا۔ اور جس شخص نے اپنی عقل کو

دنیا میں جو ایسی گندی اور ناپاک ہے مصرف کیا اس کی ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ نے کسی کو بڑی عظمت اور شان کی تلوار دی ہو اور رعایا کو دیا گوارا نہیں کرتا اور اس نے دی کہ اپنے دشمنوں کو قتل کرے اور اس کو باندھ کر آراستہ و مزین ہو، یہ نکو اسے لیتے والا مردار لاشوں کی صرف پھر اور اس تلوار سے ان کو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ اس کی چمک سب جاتی رہی اور وہ کند ہو گئی اور اس کی خوبی اور رونق جاتی رہی، جب بادشاہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی نہایت زیبا ہے کہ اس سے تلوار چھین لے اور اس کی بدکرداری پر سخت سزا دے اور اپنی توجہ و عنایت سے اس کو محروم کر دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تدبیر دو قسم پر ہے، ایک محمود، دوسری مذموم۔ تدبیر محمود وہ تدبیر ہے جو تجھ کو اللہ سے نزدیک کرے جیسے یہ تدبیر کرنا کہ مخلوق کے حقوق سے بری ہو یا ان حقوق ادا کرے یا معاف کرا کر اور توبہ کرنا اللہ تعالیٰ سے اور ان چیزوں کی فکر کرنا جو ہوائے نفسانی کو قلع قمع کر دیں، جن سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور شیطان سے بچنے کی فکر کرنا جو لوگوں کو بہکاتا ہے اور یہ سب محمود ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک ساعت کی فکر ستر سال کی عبادت سے افضل ہے اور دنیاوی تدبیر بھی دو طرح کی ہے ایک تو دنیا کی تدبیر کرنا دنیا کیلئے اور ایک دنیا کی تدبیر کرنا آخرت کیلئے اور دنیا کی تدبیر دنیا کیلئے کرنا تو یہ ہے کہ اس کے اسباب و سامان جمع کرنے کی تدبیر کرنے واسطے افتخار اور دولت بڑھانے کے اور جس قدر اس میں افزائش ہوتی ہے غفلت اور دھوکہ بڑھتا جاتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ بجا آوری احکام سے غافل کر دے اور نافرمانی کا باعث بنے اور دنیا کی تدبیر آخرت کیلئے یہ ہے جیسے کوئی شخص تجارت اور پیشہ اور زراعت کی تدبیر اس نیت سے کرتا ہے کہ حلال روزی کھاؤں گا اور قرض داروں کو اس میں سے دوں گا اور اپنی آبرو لوگوں سے بچاؤں گا اور جو شخص دنیا کو خدا کیلئے طلب کرتا۔ پھر اس کی پہچان یہ ہے کہ زیادہ حاصل نہ کرے اور ذخیرہ نہ رکھے لوگوں کے کام اس میں سے نکالتا رہے، بلکہ حاجت کو اپنے پر مقدم رکھے۔

زہد کی علامتیں زہد کی دو علامتیں ہیں۔ ایک علامت دنیا نہ ملنے کے وقت، دوسری دنیا ملنے کے وقت۔ دنیا ملنے کے وقت تو زاہد کی پہچان یہ ہے کہ لوگوں پر ایثار کرے اور نہ ملنے کے وقت یہ ہے کہ بے چینی نہ ہو۔ پس ایثار تو نعمت وجدان کا شکر ہے اور راحت نعمت فقدان کا شکر ہے۔ یہ ثمرہ فہم و عرفان کا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا جیسا دنیا کے دینے میں انعام ہے اسی طرح نہ دینے میں بھی یہ نعمت زیادہ کامل ہے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں مجھ سے دنیا کی دور رکھیں اس میں زیادہ نعمت ہے نسبت اس کے کہ مجھ کو عطا کیں۔

شیخ کا خواب شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خواب میں دیکھا انھوں نے ارشاد فرمایا کچھ خبر ہے دنیا کی محبت قلب سے خارج ہونے کی کیا پہچان ہے۔ میں نے عرض کیا مجھ کو معلوم نہیں۔ فرمایا: دنیا کی محبت قلب سے خارج ہونے کی یہ پہچان ہے کہ ہوتے میں خرچ کرے اور نہ ہوتے میں تنگی سے بے فکر رہے۔ (ہوتے میں جب خرچ کرنے جتنے کھانے پاس موجود ہو)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر طالب دنیا مذموم نہیں، بلکہ مذموم وہ ہے جو اپنے واسطے طلب کرے نہ رب کے واسطے اور دنیا کیلئے طلب کرے نہ آخرت کیلئے۔ پس دو قسم کے لوگ ہوئے۔ ایک وہ جو دنیا کو دنیا کیلئے طلب کرے اور دوسرا وہ جو دنیا کو آخرت کیلئے طلب کرے۔ کسی مبتدی صوفی نے کسی کامل صوفی دولت مند سے کہا تھا۔

نہ ہر بستہ آنکہ دنیا دوست دارد

انھوں نے جواب میں فرمایا۔

اگر دارد برائے دوست دارد

میں نے اپنے شیخ ابوالعباس سے سنا۔ فرماتے تھے عارف دنیا نہیں رکھتا کیونکہ اس کی دنیا آخرت کیلئے ہوتی ہے اور آخرت رب کیلئے۔

صحابہؓ کی مبارک زندگی اور طلبِ دنیا

کی پیروی کئے جائیں گے احوالِ صحابہ اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے جب بھی وہ وقت اسبابِ دنیا میں داخل ہوئے اس سے ان کو اللہ کا قرب مقصود تھا اور اسی کی رضا کے اسباب پیدا کرتے تھے دنیا اور اس کی لذت اور زینت مقصود نہ تھی حق تعالیٰ نے بھی ان کا یہی وصف فرمایا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ

یعنی محمد ﷺ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھی کفار کے مقابلہ میں سخت ہیں آپس میں مہربان ہیں۔ دیکھے گا تو ان کو رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے، ڈھونڈ رہے ہیں اللہ کے فضل اور رضامندی کو ان کی نشانی ان کے چہروں میں ہے سجدہ کے اثر سے۔

اور دوسری آیت میں فرمایا:۔

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝

یعنی اللہ کا نور ان گھروں میں ہے کہ اللہ نے حکم فرمایا ہے کہ وہ گھر اونچے کئے جائیں اور ان گھروں میں اس کا نام پاک ذکر کیا جائے اس میں خدا کی تسبیح ایسے لوگ کرتے ہیں کہ غافل نہیں کرتی ان کو سوداگری اور سودا سلف اللہ کی یاد سے اور نماز کے قائم رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے ڈرتے ہیں وہ ایسے دن سے کہ الٹ جائیں گے اس میں قلوب اور نگاہیں۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:۔

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۔

یعنی ایسے لوگ ہیں کہ سچ کر دکھایا انہوں نے جو عہد اللہ سے کیا تھا پس بعضے تو ان میں وہ ہیں جنہوں نے اپنی منت پوری کر دی اور بعض انتظار رکھتے ہیں اور انہوں نے عہد کو بالکل نہیں بدلا۔

اس مضمون میں بہت آیتیں ہیں ایسے لوگوں پر کیا گمان ہو سکتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی صحبت اور مخاطب قرآن بنانے کے لیے پسند کیا۔ پس قیامت تک کوئی مسلمان نہیں جس کی گردن پر صحابہ کے بے شمار اور یاد رکھنے کے قابل احسان نہ ہوں کیونکہ وہی لوگ تو ہیں جنہوں نے حکمت اور احکام کو رسول اللہ ﷺ سے ہم تک پہنچایا اور حلال و حرام کو بیان کیا اور خاص و عام کو سمجھایا اور اقالیم اور شہر فتح کئے اور مشرکین اور معاندین کو زیر کیا اور سچ ہے جو ان کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اهتدیتم

یعنی میرے صحابہ روشن ستاروں کے ہیں جس کے پیچھے تم لو گے راہ مل جائے گی۔

حق تعالیٰ نے پہلی آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ میں ان کے بہت سے اوصاف بیان فرمائے یہاں تک کہ فرمایا:

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا

یعنی وہ لوگ اللہ کے فضل و رضا کو ڈھونڈتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ جو ان کے اسرار پر مطلع ہے اور ان کے باطن اور ظاہر کو جانتا ہے وہ خبر دے رہا ہے کہ ان کو اپنے مقاصد میں دنیا مطلوب نہیں اور بجز رضا و فضل خداوندی کے دوسرا مقصود نہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فرماتا ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ
وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

یعنی جم کر بیٹھ کر وان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام چاہتے ہیں اس کی رضامندی۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتلا دی کہ سوا اللہ کے کچھ ان کی مراد نہیں اور نہ ان کے سوا ان کا کوئی مقصود نہیں اور دوسری آیت میں یوں بیان فرماتا ہے کہ پاکی بیان کرتے ہیں اللہ کی ان گھروں میں صبح و شام ایسے لوگ کہ غافل نہیں کرتی ان کو تجارت اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کے دل پاک ہو گئے اور دل کے اتو۔ رکامل ہو گئے۔ اسی واسطے دنیا ان کے دل کو پکڑ نہیں سکتی اور ان کے چہرہ ایمان پر خراش نہیں کر سکتی اور دنیا ایسے قلوب میں کیونکر جا سکتی ہے جن کو اللہ نے اپنی محبت سے بھر دیا ہو اور اپنے قرب کے انوار اس میں روشن کر دیے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۝

یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا۔

پس اگر دنیا کا زور ان کے دل پر چلتا تو شیطان کا بھی بس چلتا کیونکہ شیطان کی رسائی ان قلوب تک نہیں جن کے قلوب انوار زہد سے روشن ہوں اور حب دنیا کے میل سے پاک وصاف ہو گئے ہوں۔ پس مطلب إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ کا یہ ہے کہ نہ تیرا اور نہ کسی اور مخلوق کا قابو چل سکتا ہے، کیونکہ میری عظمت کا غلبہ جو ان کے قلوب پر ہے۔ وہ میرے سوا کسی کا غیر وہاں تک آنے نہیں دیتا۔ پس آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ وصف فرمایا ہے: کہ تجارت اور بیع ان کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ تجارت اور بیع نہیں کرتے بلکہ اس آیت کے مضمون میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ بیع اور تجارت جائز ہے تم نے کیا یہ قول نہیں سنا۔

بِإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ

پس اگر غنا (مالداری) سے منع فرمانا منظور ہوتا تو سبب غنا سے بھی کہ بیع و

تجارت سے منع فرماتے دیکھو ایتاء الزکوۃ میں جب زکوۃ کو واجب فرمایا اس سے صاف واضح ہوا کہ جن لوگوں کے یہ اوصاف مذکور ہوتے ہیں ان میں بعض غنی بھی ہوتے ہیں پھر بھی تعریف کے قابل رہتے ہیں، جبکہ اپنے مولیٰ کے حقوق ادا کرتے ہیں۔

بعض مالدار صحابہ کا حال

عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ عثمانؓ جس روز شہید ہوئے ہیں ان کے خزانچی کے پاس ڈیڑھ لاکھ دینار اور دس لاکھ درہم تھے اور اریس، خیبر اور وادی القریٰ کے درمیان میں کچھ زمینیں تھیں جن کی قیمت دو لاکھ دینار تھی۔ اور پورا ترکہ چار لاکھ دینار ہوئے اور زبیرؓ کے ترکہ کا آٹھواں حصہ ۵۰۰۰۰ پچاس ہزار دینار ہے۔ اور ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار غلام چھوڑے تھے۔ اور عمرو بن العاص نے تین لاکھ دینار چھوڑے اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا غنی ہونا اتنا مشہور ہے کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اور دنیا ان حضرات کے ہاتھوں میں تھی، دلوں میں نہ تھی۔ جب نہ ملی تھی تو صبر کیا اور جب ملی تو شکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے ابتداء امر میں ان کو فاقے میں مبتلا فرمایا یہاں تک کہ ان کے انوار کمال کو پہنچ گئے اور اسرار پاک ہو گئے۔ پھر ان کو دنیا دی کیونکہ پہلے مل جاتی تو شاید ان پر اثر کرتی، چونکہ بعد تمکین اور رسوخ یقین کے ملی اس میں اس طرح تصرف کیا جیسا امانت دار خزانچی تصرف کرتا ہے اور اس ارشاد کو پورا کیا۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ

یعنی خرچ کرو اس چیز سے جس میں تم کو خلیفہ کیا۔

فائدہ: حاصل یہ کہ مالکانہ تصرف نہ کرتے تھے، بلکہ چاکرانہ کرتے تھے۔ اسی مقام سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اوّل امر جہاد کرنے سے اس ارشاد میں کیوں ممانعت فرمادی تھی کہ:

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ

یعنی معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے۔

وجہ یہ کہ اگر ابتدائے اسلام میں جہاد کی اجازت ہوتی تو شاید بعض مسلمانوں کو جو اجازت ملتی تو اپنا ذاتی بدلہ لینے لگتے اور خرابی نیت کی خبر بھی نہ ہوتی۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ جب کوئی ضرب لگاتے تو اس کے ٹھنڈے ہونے تک ٹھہرے رہتے۔ پھر دوسری ضرب لگاتے تھے، اس اندیشے سے کہ شاید اس کے پیچھے اگر دوبارہ ماروں تو کہیں نفس کی آمیزش نہ ہو جائے۔ اس کا باعث یہ تھا کہ آپ نفس کے چھپے دھوکوں کو پہچانتے تھے اور بڑی حفاظت صحابہؓ کو دلوں کی تھی اور اپنے اعمال کو خالص کرنے کی اور اندیشہ ناک رہتے تھے کہ ان کے عمل میں کوئی ایسی چیز نہ مل جائے جس سے رضائے مولیٰ مقصود نہ ہو۔ پس دنیا صحابہ کے ہاتھ میں تھی نہ کہ دلوں میں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ صحابہ کرام دنیا سے علیحدہ رہتے تھے اور دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم رکھتے تھے حق تعالیٰ ان کی شان میں فرماتے ہیں۔

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

یعنی اوروں کو اپنی ذات پر مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود ان پر فاقہ ہو۔

یہاں تک کہ کسی صحابی کے پاس ایک بکری کی سری ہدیہ میں آئی فرمایا فلاں شخص مجھ سے زیادہ مستحق ہے، اس بزرگ نے کسی اور کا نام بتا دیا، انھوں نے کسی اور کا نام لے دیا یوں ہی ایک دوسرے کے گھر بھیجتے رہے یہاں تک کہ سات گھروں میں گھوم گھما کر پھر پہلے ہی صحابی کے پاس لوٹ آئی اور اس کی کافی دلیل ہے۔ حضرت عمرؓ کا نصف مال سے الگ ہو جانا اور حضرت ابوبکرؓ کا کل مال سے الگ ہو جانا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا سات سو اونٹ لدے لدائے دے دینا اور حضرت عثمانؓ کا جیش تبوک کیلئے سامان کر دینا اور بہت سے اچھے کام اور اچھے حالات ان سے منقول ہیں۔ اور دوسری آیت جو ہے وہ یہ ہے صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ میں اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے پوشیدہ صدق کی خبر دی جس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی مطلع نہیں ہو سکتا اور یہ بہت بڑی تعریف اور فخر کی بات

ہے۔ کیونکہ ظاہر افعال میں باعتبار علم مخلوق کے کبھی حالات مشتبہ ہو سکتے ہیں ان آیات سے ان کا ظاہر اور باطن کا تزکیہ ہوتا ہے اور ان کے محامد اور مفاخر ثابت ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تدبیر دنیا دو قسم پر ہے ایک تدبیر دنیا کی واسطے دنیا کے جیسا کہ زور اور دولت والی غنیمت کا حال ہے۔ دوسری تدبیر دنیا کی واسطے آخرت کے جیسے کہ صحابہؓ کرام اور سلف صالحین کا حال تھا اور اس کی دلیل حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ میں نماز میں اپنے لشکر کا سامان درست کرتا ہوں۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کی تدبیر مجاہدہ اور حضوری کی حالت میں تھی سو تدبیر شے کے واسطے تھی اسی لئے نماز فاسد ہوئی نہ کمال میں نقصان آیا۔

<u>ایک شبہ اور اس کا جواب:</u> اگر کوئی اعتراض کرے کہ تمہارا تو یہ دعویٰ ہے کہ ان میں سے کوئی دنیا کا طالب نہ تھا، حالانکہ یوم احد میں اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو یوں فرمایا کہ بعض تم میں سے دنیا کے طالب تھے اور بعض آخرت کے طالب تھے، یہاں تک کہ بعض صحابہؓ کا قول ہے کہ ہم نہیں سمجھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی دنیا کا طالب ہے، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ

اب اس کا جواب سمجھو۔ اللہ تم کو سمجھنے کی توفیق دے اور اپنے کلام سمجھنے کے لائق کرے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ صحابہؓ کے ساتھ نیک گمان رکھے اور ان کی بزرگی کا معتقد رہے اور ان کے تمام اقوال و افعال و احوال کو خواہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے ہوں یا ان کے بعد کے اچھے وجوہ پر محمول کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی پاکی بیان فرمائی تو کسی زمانے کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ نبی علیہ السلام رسول اللہ ﷺ نے اصحابی کالنجوم الحدیث میں مطلق ارشاد فرمایا اور اس آیت کے دو جواب ہیں۔

<u>جواب اول:</u> اس آیت کا یہ ہے کہ بعض تم میں سے دنیا چاہتے تھے یعنی آخرت کے واسطے جیسے وہ لوگ جنھوں نے مال غنیمت لینا چاہا تھا کہ اس میں سے

اس کے معاملے سے باز رکھے اور تدبیر محمود وہ ہے جس کی یہ شان نہ ہو بلکہ اللہ کا قرب بخشے اور اس کی رضا مندی تک لے جائے۔ اسی طرح دنیا علی الاطلاق نہ مذموم نہ محمود بلکہ مذموم وہ ہے جو مولیٰ سے غافل کر دے اور آخرت کیلئے سامان کرنے سے باز رکھے جیسے عارفین کا قول ہے جو چیز تجھ کو اللہ سے غافل کر دے خواہ بیوی ہو یا مال ہو یا اولاد ہو وہ تیرے حق میں منحوس ہے اور دنیائے ممدوح وہ ہے جو اطاعت الٰہی میں معین ہو اور خدمت مولیٰ میں سرگرم اور مستعد کر دے الحاصل جو اچھے کاموں کا ذریعہ ہے وہ ممدوح ہے اور جو برے کاموں کا ذریعہ ہے وہ مذموم ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ دنیا مردار گندی سڑی ہے اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ دنیا ملعون ہے اور جو اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر اور جو چیز اس کے متعلق ہو اور عالم اور طالب علم، اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے آدمی میں سے جو نجاست نکلتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا کی مثال بنایا ہے۔ ان احادیث کا مقتضا یہ ہے کہ وہ مذموم ہو اور لوگ اس سے نفرت کریں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ دنیا کو برا مت کہو کہ ایماندار کیلئے خوب سواری ہے اس پر سوار ہو کر خیر حاصل کر سکتا ہے اور شر سے بچ سکتا ہے۔ پس جس دنیا پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے وہ دنیا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے، اسی واسطے آپ نے حدیث میں استثناء فرما دیا کہ: الا ذکر اللّٰہ یعنی مگر ذکر اللہ کا اور جو اس کے متعلق ہو اور عالم اور طالب علم تو آپ نے بیان فرما دیا کہ یہ چیزیں دنیا میں داخل نہیں اور جس دنیا کے متعلق فرمایا کہ اسے برا مت کہو یہ وہ دنیا ہے جو تم کو اطاعت الٰہی تک پہنچائے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: وہ ایمان والے کیلئے خوب سواری ہے، سو سواری ہونے کے اعتبار سے اس کی مدح فرمائی نہ اس حیثیت سے کہ وہ دھوکہ اور گناہوں کا مقام ہے، وہیں تمہاری سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ ترک تدبیر کے یہ معنی نہیں کہ بالکل اسباب سے کنارہ اختیار کر لے یہاں تک کہ نشان ضائع ہونے لگے یا پھر لوگوں پر بار ہو جائے اور اللہ کی حکمت جو اثبات اسباب اور ارتباط وسائط میں ہے اس سے جاہل بن جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان: اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ کسی عابد پر سے آپ کا گذر ہوا اس سے دریافت کیا کہ تو کہاں سے کھاتا ہے؟ اس نے کہا میرا بھائی مجھے کھانے کو دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا: تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عابد ہے یعنی تیرا بھائی اگر چہ بازار میں رہتا ہے مگر تجھ سے زیادہ عبادت کرتا ہے کیونکہ وہی تو طاعت میں تیرا مددگار ہے اور تجھ کو عبادت کیلئے فارغ کر رکھا ہے۔

وسائل واسباب کا مرتبہ: اور اسباب میں قدم رکھنے کا کیسے انکار ہو سکتا ہے جب کہ یہ آیات نازل ہو چکی ہیں:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

یعنی خرید و فروخت کو اللہ نے حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔

وَاَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ

یعنی گواہ کر لیا کرو جب بیع و شرا کرو۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے زیادہ حلال روزی جس کو آدمی کھائے وہ ہے جو اپنے ہاتھ کی کمائی ہو اور داؤد علیہ السلام دستکاری سے کماتے تھے اور فرمایا: سب سے اچھی کمائی دستکاری ہے جب دغا فریب نہ کرے اور فرمایا: جو سوداگر امانت دار سچا مسلمان ہو وہ قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ ان آیت اور احادیث کے بعد کیسے ہو سکتا ہے کہ اسباب کی مطلقاً مذمت کی جائے لیکن جو اللہ سے غافل کر دے اور اس کے معاملے سے باز رکھے وہ بے شک مذموم ہے اور اگر تو یہ اسباب بالکل چھوڑ کر تجرید (گوشہ تنہائی) اختیار کرے مگر اللہ سے غفلت ہو تب بھی مذموم ہے اور آفات صرف اہل اسباب پر ہی نہیں پڑتیں بلکہ اہل تجرید بھی مبتلا ہوتے ہیں اللہ کے قہر سے وہی بچ سکتا ہے جس پر اس کی مہر ہو۔

دنیا دار نیک اور دیندار بد کی تفصیل......!

بلکہ بعض اوقات اہل تجرید پر آفت سخت ہوتی ہے کیونکہ اہل اسباب پر تو یہی آفت ہے کہ وہ دنیا میں داخل ہوتے ہیں مگر متقی نہیں ہوتے ظاہر و باطن ان کا

یکساں ہے اپنے قصور کا اقرار کرتے ہیں جو لوگ فارغ ہو کر اللہ کی عبادت میں لگے ہیں ان کو اپنے سے افضل سمجھتے ہیں اور اہلِ تجرید کی آفتیں یہ ہیں کہ کبھی ریاکاری پیدا ہو جاتی ہے یا تکبر یا نمائش یا تصنع یا مخلوق کے واسطے اطاعت الٰہی سے آراستہ ہونا کہ ان کا مال حاصل کرلے اور کبھی یہ آفت ہوتی ہے کہ مخلوق پر اعتماد اور سہارا ہو جاتا ہے اور ان کی پہچان یہ ہے کہ اگر لوگ اس کی تعظیم نہ کریں تو ان کی خدمت کرتا ہے اور جو خدمت نہ کریں تو ان پر ناخوش ہوتا ہے پس جو شخص اسباب میں غفلت کے ساتھ ڈوبا ہوا ہے اس کی حالت اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری نیتیں درست فرمائے اور ہمارے نفوس کو اپنے فضل و کرم سے آفات سے پاک کرے۔

فصل: شاید اس کلام سے تو یوں سمجھ جائے کہ تجرد و تسبب ایک مرتبہ میں ہیں۔ کیونکہ آفت دونوں پر آتی ہے اور محفوظ بھی دونوں رہ سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے اور جس نے اپنے آپ کو اللہ کی عبادت کیلئے فارغ کر دیا اور اپنے اوقات کو اس کے ساتھ مشغول کر دیا اللہ تعالیٰ ہرگز اس کو اس شخص کے مثل نہیں کرے گا جو اسباب میں داخل ہوتا ہے اگر چہ اس میں تقویٰ رکھتا ہو۔ پس اگر متسبب اور متجرد کا مقام باعتبار معرفت الٰہیہ کے برابر ہو اس وقت متجرد ہی افضل ہے اور اس کا عمل اعلیٰ اور اکمل ہے۔ اسی لئے بعض عارفین کا قول ہے کہ مثال متسبب اور متجرد کی ایسی ہے جیسے بادشاہ کے دو غلام ہوں ایک سے تو فرمایا کماؤ اور کھاؤ اور دوسرے کو حکم ہوا کہ تم ہمارے دربار میں حاضر خدمت رہو تمہاری حاجت کا انتظام ہم کر دیں گے۔ سو اس غلام کا مرتبہ آقا کے نزدیک زیادہ ہے اور اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا اس کی عنایت کی بڑی دلیل ہے۔ علاوہ یہ ہے کہ اسباب میں داخل ہو کر نافرمانی سے بچنا اور حقائق عبادت نصیب ہونا شاذ و نادر ہے کیونکہ نا جنسوں سے بسر کرنا ہوگا اہل غفلت اور عناد سے ملنا ہوگا اور بڑا معین اطاعت پر مطیعین کا دیکھنا ہے اور بڑا باعث گناہ میں مبتلا ہونے کا گناہ والوں کا دیکھنا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد کیا: آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے سو ذرا دیکھ بھال کر دوستی کیا کرو۔ شاعر نے کہا ہے ۔

آدمی کو بوجہ صحبت دیکھ اس کا یار | یار اپنے یار کا ہے مقتدی
تو جو اس میں شر تو ہو جلدی جدا! | خیر گر ہو تو رہ کے ہو تو مقتدی

نفس کی خصلت

نفس میں خاصیت ہے کہ جس سے ملتا ہے اس کے ساتھ تشبہ کرتا ہے اور اس کی نقل اتارتا ہے اور اس کی صفات سے متصف اور مشابہ ہو جاتا ہے پس غافلین کی صحبت نفس کیلئے اور زیادہ معین غفلت بن جاتی ہے کیونکہ اصل وضع میں غفلت اس کے مناسب ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ ایک سبب بھی مل جائے کہ وہ مخالطت غافلین ہے اس وقت تو کیا حال ہوگا اور اے بھائی تجھ کو اللہ توفیق دے تو اپنا ہی حال دیکھ لے کہ جب تو گھر سے نکلتا ہے اور جب تو لوٹ کر آتا ہے دونوں وقت میں ایک سا حال نہیں ہوتا گھر سے جاتے وقت تجھ پر انوار کا غلبہ ہوتا ہے اسعد کشادہ ہوتا ہے، اطاعت کی ہمت ہوتی ہے، دنیا میں بے رغبتی ہوتی ہے اور لوٹتے وقت یہ حالت نہیں ذوق اور یہ مقامات نہیں رہتے جس کا سبب صرف کدورت مخالطت ہے اور ظلمت اسباب میں قلوب کا غرق ہونا اور اگر یہ بات ہوا کرتی کہ اسباب و معاصی کے جانے سے ان کا اثر بھی جاتا تھا تو بے شک قلوب کیلئے انتہائی یار سے بعد گناہ گار اور دنیا میں پھنسے ہوئے انسانوں سے ملنے جلنے کا اثر ان سے الگ ہو جانے کے بعد بھی رہتا ہے۔ مگر ان کا حال تو آگ کا سا ہے کہ جلنا موقوف ہو جائے مگر سیاہی باقی رہتی ہے۔ (یہ مقامات ذلیل دنیاداروں سے ملنا جلنا اور ان کی صحبت)

دنیاداروں کے لئے دو ضروری چیزیں

اور اہل اسباب کو دو چیزوں کی بہت ضرورت ہے علم اور تقویٰ علم کے ذریعے سے تو حلال و حرام کو جانے گا اور تقویٰ کی وجہ سے ارتکاب گناہ سے بچے گا۔ حاجت علم کی تو اس لئے ہے کہ جو احکام متعلق معاملات بیع و سلم و صرف وغیرہ کے ہیں ان کو جاننا ضروری ہے ساتھ ہی اس کی جو واجبات و فرائض معینہ ہیں ان کا علم بھی ضروری

ہے۔ تاکہ فوت نہ ہو جائیں۔

اہل دنیا کیلئے ضروری ہدایات جن پر عمل کر کے وہ دینداری کے ساتھ دنیادار رہ سکتے ہیں

چند امور کا التزام اہل تسبب کو رکھنا چاہیے۔

پہلی ہدایت: گھر سے نکلتے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کریں کہ اگر کوئی شخص مجھ کو رنج پہنچائے گا تو معاف کر دوں گا، کیونکہ بازار ایسا موقع ہے جس میں جھگڑے والی بات چیت ہو ہی جاتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم ابی ضمضم کے برابر بھی نہیں ہو سکتے اس کی عادت تھی کہ گھر سے نکلتے وقت دعا کیا کرتا تھا یا اللہ میں نے اپنی آبرو مسلمانوں پر تصدیق کر دی۔

دوسری ہدایت: گھر سے نکلتے وقت مناسب ہے کہ وضو کرے اور دو رکعت نفل ادا کرے اور اللہ سے دعا کرے کہ اس جانے میں سلامتی رہے کیونکہ اس آدمی کو معلوم نہیں کہ مقدر میں کیا ہے، کیونکہ بازار جانے والا ایسے ہے جیسے کوئی لڑائی میں جانے والا۔

پس مسلمان کو زیبا ہے کہ اعتصام و توکل کی زرہ پہنے (یعنی اللہ سے مدد مانگے اور اس پر پورا بھروسہ و یقین کرے) جو دشمنوں کے تیروں سے اس کو بچائے۔ یعنی بازار میں شیطان کا پورا دخل ہوتا ہے اس کے اور اس کے لشکر جن و انس کے مکائد سے اللہ کی پناہ مانگنا ضروری ہے۔ جو اللہ کی پناہ میں آیا اس کو سیدھی راہ ملی اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کو کافی ہے۔

تیسری ہدایت: جب گھر سے جانے لگے تو مناسب ہے کہ اہل و عیال اور گھر کو اور گھر کی تمام چیزوں کو اللہ کے سپرد کر دے کہ اللہ کی حفاظت اس میں زیادہ ہوتی ہے اور یہ آیت پڑھ دے۔

فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۔

یعنی اللہ اچھا نگہبان ہے اور وہ سب مہروالوں سے زیادہ مہروالا ہے۔

اور یہ دُعا جو حدیث میں آئی ہے پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ وَالْوَلَدِ وَالْمَالِ.

اے اللہ تو میرے ساتھ ہے میرے سفر میں حفاظت کرنے والا ہے، میرے بعد میرے اہل وعیال اور مال واسباب کی۔

کیونکہ اللہ کے سپرد کرنے میں امید ہے کہ ان کو اچھی حالت میں پائے گا۔ کسی شخص نے سفر کیا اور کی بیوی حاملہ تھی جب وہ سفر کو جانے لگا کہا کہ یا اللہ جو اس عورت کے پیٹ میں ہے وہ تجھ کو سونپتا ہوں اتفاق سے اس کے پیچھے اس کی بیوی مر گئی، جب سفر سے آیا تو اس کا حال معلوم کیا، لوگوں نے کہا وہ تو حالت حمل میں مرگئی جب رات ہوئی تو قبرستان میں ایک نور نظر آیا وہ اس کی طرف چلا تو کیا دیکھتا ہے اس کی بیوی کی قبر سے نور نکل رہا ہے اور ایک بچہ اس کی چھاتیوں سے دودھ پی رہا ہے، ایک ہاتف نے آواز دی کہ تم نے ہم کو بچہ سونپا تھا وہ تو نے پایا اگر دونوں کو سونپ جاتا تو دونوں کو پاتا۔

چوتھی ہدایت: جب گھر سے نکلنے لگے تو مستحب ہے کہ یہ دُعا پڑھ لیا کرے۔

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

اللہ کے نام سے یہ سفر شروع کرتا ہوں اور اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ طاقت وغلبہ سب کچھ اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔

اس دُعا کے پڑھنے سے شیطان مایوس ہو جاتا ہے۔

پانچویں ہدایت: لوگوں کو اچھے کام بتانے بری باتوں سے منع کرے اور اس کو نعمت قوت وتقویٰ کا شکر سمجھے جو کہ اللہ نے اس کو عنایت کی ہیں اور اس ارشاد خداوندی کو یاد کرے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ

وَاٰتَــوُا الـــزَّکٰـــوٰۃَ وَاَمَـــرُوْا بِـــالْـمَـعْرُوْفِ وَنَـهَـوْا عَنِ
الْـمُـنْـكَـرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَـةُ الْاُمُـــوْرِ

یعنی ایسے لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں زمین میں تو نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ دیں
اور نیک باتیں بتائیں اور برے کاموں سے منع کریں اور اللہ ہی کیلئے ہے انجام سب
کاموں کا۔

تبلیغ کس پر فرض ہے؟: جس شخص کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ممکن ہو
اور کسی طرح کا صدمہ اس کی جان یا آبرو یا مال کو نہ پہنچے تو وہ قدرت والوں میں
داخل ہے اور وجوب اس کے ساتھ متعلق ہے اور اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
سے پہلے صدمہ پہنچے یا بعد میں صدمہ پہنچنے کا ظن غالب ہو اس وقت وجوب ساقط ہو
جاتا ہے اور دل سے برا سمجھنا ہی کافی ہے۔

چھٹی ہدایت: سکون اور وقار کے ساتھ چلے فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَعِبَـادُ الرَّحْـمٰـنِ الَّـذِيْـنَ يَـمْـشُـوْنَ عَـلَـى الْاَرْضِ هَـوْنًـا
وَّاِذَا خَـاطَـبَـهُـمُ الْـجٰـهِـلُـوْنَ قَالُوْا سَـلَامًـا

یعنی اللہ کے خاص بندے ایسے ہیں جو چلتے ہیں زمین پر نرمی سے اور جب بات چیت
کرتے ہیں ان سے جاہل لوگ کہتے ہیں وہ خصارئی کی بات۔

اور یہ سکون و وقار کچھ چلنے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ امر مطلوب یہ ہے کہ
تیرے سب افعال میں سکون ہو اور ہر امر میں استقلال ہو۔

ساتویں ہدایت: یہ کہ بازار میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ
غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ بھاگنے والوں میں لڑنے والا اور
بازار میں اللہ ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا مردوں میں زندہ اور بعض بندگان پیشین
(پہلے بزرگوں) کی عادت تھی کہ خچر پر سوار ہو کر بازار جاتے اور اللہ کا ذکر کر کے
لوٹ آتے اور خاص کر اسی واسطے چلا کرتے تھے۔

آٹھویں ہدایت: بیع وشرا اور کسب معاش میں با جماعت وقت پر نماز پڑھنے سے

غافل نہ ہو کیونکہ ان کاموں کی وجہ سے اگر نماز ضائع کر دے تو اللہ کے غضب اور کمائی میں بے برکتی کا مستحق ہوتا ہے اور اس سے شرمانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اسی حالت میں دیکھے کہ اپنے حظوظ نفسانی میں (نفس کی لذتوں میں پڑ کر) اپنے رب کے حقوق سے غافل ہو جائے اور بعض سلف کی یہ عادت تھی کہ اپنا کام کر رہے ہیں ہتھوڑا اٹھایا کہ موذن کی آواز سن اس کو پیچھے ہی چھوڑ دیا تا کہ اطاعت کی طرف بلائے جانے کے بعد کچھ بھی مشغول نہ ہو اور جب موذن کی آواز سنے تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد کرے:

يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ

یعنی اے ہمارے لوگو اللہ کے پکارنے والے کا کہنا مانو۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ.

یعنی اے ایمان والو! کہا مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا جب تم کو ایسی چیز کی طرف بلائے جو تمہاری حیات کا باعث ہو۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

يَسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ یعنی اپنے رب کا کہنا مانو۔

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دولت خانہ میں نعل مبارک درست فرماتے اور خادم کو سہارا لگا دیتے جہاں اذان ہوتی اس طرح چل کھڑے ہوتے گویا ہم سے کچھ جان پہچان ہی نہیں۔

نویں ہدایت: قسم نہ کھائے اور اپنی چیز کی حد سے زیادہ تعریف نہ کرے اور اس کے بارے میں سخت وعید آئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوداگر لوگ فاجر ہیں، مگر جو نیکی کرے اور سچ بولے۔

دسویں ہدایت: غیبت اور چغل خوری سے زبان بند کرے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد

یاد کرے کہ:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا

یعنی آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے کیا تم کو یہ بات پسند ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ ضرور تم کو برا لگے گا۔

غیبت کا گناہ اور اس سے بچنے کا طریقہ

جاننا چاہیے کہ غیبت سننے والا بھی مثل غیبت کرنے والے کے ہے۔ پس اس کے سامنے اگر کسی کی غیبت کی جائے تو اول تو انکار کرنا چاہیے اور اگر کوئی اس کی بات نہ سنے تو وہاں سے اٹھ کھڑا ہو اور خلقت کی حیا اللہ کیلئے کھڑے ہو جانے سے باز نہ رکھے۔ کیونکہ اللہ سے شرم کرنا زیادہ زیبا ہے، اور اللہ اور رسول کا راضی رکھنا لوگوں کے راضی رکھنے سے زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ

یعنی اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ مستحق ہیں اس کے کہ ان کو خوش اور راضی رکھا جائے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: غیبت کا گناہ چھتیس زنا کرنے سے جو حالت اسلام میں ہو زیادہ شدید ہے۔ (یعنی ایک غیبت کا گناہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ ہے۔)

شیخ کے بیان کردہ چار آداب اور ان کی تشریح: شیخ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ فقیر متسبب کے چار آداب ہیں اگر فقیر ان سے خالی ہو تو اس کی کچھ قدر نہ کرو گو سارے جہان سے علم میں زیادہ ہو ایک تو ظالموں سے کنارہ کرنا، دوسرا آخرت والوں کو ترجیح دینا۔ تیسرا فاقے والوں کی غم خواری کرنا، چوتھا پانچوں نمازیں با جماعت ادا کرنا، اور واقعی شیخ نے سچ فرمایا، کیوں کہ ظالموں سے کنارہ کرنے میں دین کی سلامتی ہے وجہ یہ کہ ظالموں کی صحبت نور ایمان کو تاریک کر دیتی ہے اور ان سے کنارہ کرنا عذاب الٰہی سے بھی بچاتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ

یعنی ظالموں کی طرف سے تجھ کو بھی لگے تم کو آگ۔

یہ جو فرمایا کہ آخرت والوں کو ترجیح دینا اس کا مطلب یہ ہے کہ اولیاء اللہ کے پاس بکثرت آمد و رفت رکھے اور ان سے فیض و برکات حاصل کرے تا کہ کدورت اسباب پر نور آ در رہیں ان اولیاء اللہ کے برکات اور آثار اس پر بھی ظاہر ہوں اور آ کثر اوقات اسباب میں بھی ان سے مدد پہنچتی ہے اور ان کی محبت اور اعتقاد کی بدولت معصیت سے محفوظ رہتا ہے اور یہ جو فرمایا کہ فاقہ والوں کی غم خواری کرنا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ پر واجب ہے کہ اللہ کی جو نعمت اس کے پاس ہو اس کا شکر کرے۔ پس جب اسباب تجھ پر کشادہ فرمائے تو ان کا خیال رکھ جن پر اسباب کے دروازے بند ہیں۔ یعنی سامان میں بے ساماتوں کا خیال رکھ اور جاننا چاہیے کہ اور اللہ تعالیٰ نے اغنیا کا امتحان اہل فاقہ سے اور اہل فاقہ کا امتحان اغنیاء سے فرمایا ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ؕ

یعنی کیا ہم نے بعضے تمہارے کو واسطے بعضے کے آزمائش آیا صبر کرتے ہو اور ہے پروردگار تیرا دیکھنے والا۔

فاقے والوں کا وجود اہل غنا پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ ان کو ایسے لوگ ملے جو ان کے بوجھ آخرت تک اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ یعنی اگر غنی چاہے کہ بچا مال اسباب آخرت میں بھیجوں تو یہ امر محتاجوں کے ذریعے سے ممکن ہے اور ان کو ایسے لوگ ملے کہ جہاں انہوں نے لیا تو اللہ نے لے لیا اور اللہ خود غنی محمود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ فقیر کو نہ پیدا کرتا تو اغنیا کے صدقات کیسے قبول ہوتے اور ایسے لوگوں کو کہاں پاتے جو ان سے لے لیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حلال مال سے صدقہ دے اور اللہ حلال مال ہی قبول کرتا ہے تو گویا وہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں رکھتا ہے اللہ اس کو پالتا ہے جیسے تم میں کوئی شخص اپنا بچھڑا یا اونٹ کا بچہ پالتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک

لقمہ احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کا ثواب بڑھتا جاتا ہے اسی لئے قیامت کی ایک علامت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ صدقہ دینے والے کو کوئی آدمی ایسا نہ ملے گا جو اس کا صدقہ وصول کرلے اور یہ جو فرمایا کہ پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب فقیر محجوب کو یہ امر میسر نہ ہوا کہ اللہ کی عبادت کیلئے فارغ ہو کر خاص طور پر خدمت و اطاعت میں لگا رہے تو اتنا ضرور ہے کہ پانچ وقت کی نماز جماعت سے فوت نہ ہوتا کہ یہ التزام جدید انوار و حصول بصیرت کا موجب ہو اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پڑھنے پر ستائیس حصہ زیادہ بزرگی رکھتی ہے اور دوسری حدیث میں ستائیس حصہ بھی بیان کیا گیا ہے اور اگر یہ امر مشروع کر دیا جاتا کہ ہر شخص اپنی دوکان اور گھر میں نماز پڑھ لیا کرے تو مسجدیں ساری بے کار ہی ہو جاتیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ (الآیہ)

یہ دوسری وجہ ہے کہ جماعت کے ساتھ ہمیشہ نماز پڑھنے میں قلوب مجتمع رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں آپس میں اتفاق رہتا ہے مسلمانوں کا یکجا دیکھنا میسر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کا ہاتھ ہے جماعت پر اور یہ بات ہے کہ جب جماعت مجتمع ہوگی ان کے قلوب کے برکات حاضرین پر کھلتے ہیں اور ان کے انوار پاس والوں پر چمکتے ہیں اور ان کا مجتمع اور متصل ہونا مثال ایک لشکر کے ہوتا ہے، جب وہ مجتمع اور متصل ہوتا ہے تو غالب ہوتا ہے اور اس آیت کے یہی معنی ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ۝

یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو چاہتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں جیسے

ایک مکان ہو جس میں سیسہ بھرا ہوا ہو۔

ضمیمہ: اے ایمان والے تجھ پر یہ بھی لازم ہے کہ اپنے کام کیلئے نکلنے کے وقت سے لوٹنے تک اپنی نگاہ کو ہر ناجائز چیز کو دیکھنے سے پست رکھ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ

یعنی اے محمد ﷺ ایمان والوں سے کہو کہ نیچی کریں اپنی نگاہیں اور تھامتے رکھیں اپنی شرم گاہیں یہ بات ستھری (پاکی) ہے ان کے واسطے۔

یہ بات جاننا چاہیے کہ نگاہ اللہ کی بڑی نعمت ہے موہبت الٰہی کی ناشکری نہیں کرنی چاہیے اور یہ ایک امانت ہے اس میں خیانت نہ کرنا چاہیے اور اس ارشاد خداوندی کو یاد رکھنا چاہیے۔

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ؕ

یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو اور جو چھپے ہیں سینے میں۔

اور فرمایا۔

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ

یعنی کیا اس کو پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔

جب کسی نا مشروع چیز دیکھنے کا ارادہ دل میں آئے تو سمجھ لے کہ وہ دیکھتا ہے اور معلوم ہونا چاہیے کہ جب کوئی اپنی نگاہ ناجائز چیز سے پست کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی بصیرت کو کشادہ فرما دے گا۔ یہ پوری جزا ہے، پس جو آدمی عالم شہادت میں اپنی جان پر تنگی کرتا ہے اللہ عالم غیب میں اس پر کشادگی فرماتا ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ کسی شخص نے اپنی نگاہ حرام چیز سے پست نہیں کی مگر اس کے قلب میں ایک نور پیدا ہوا جس کی حلاوت پاتا ہے۔

مضمون اصلی کا بیان: تو تدبیر کرنا اللہ کے آگے اہل بصیرت کے نزدیک ربوبیت کا مقابلہ کرنا ہے، وجہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز یعنی بلا وغیرہ تجھ پر پڑے اور تو

اس کا اٹھانا چاہے کوئی چیز یعنی رزق تجھ سے اٹھ جائے اور تو اس کا مقرر کرنا چاہے،
یا کسی ایسے امر میں تو فکر کرے جس کو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ذمہ دار ہے اور
تیرے لئے انتظام کرنے والا ہے۔ سو یہ ربوبیت کا مقابلہ ٹھہرے گا اور حقیقی عبودیت
سے نکلنا قرار دیا جائے گا۔ اس مقام پر فرمان الٰہی ہے۔

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰہُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیْمٌ
مُّبِیْنٌ ○

یعنی کیا آدمی نے دیکھا نہیں اس بات کو کہ پیدا کیا ہم نے اس کو نطفے سے پس ناگہاں وہ
کھلا جھگڑالو نکلا۔

پس اس آیت میں آدمی کو تعجب کی گئی ہے، چونکہ وہ اپنی اصل پیدائش سے
غافل ہوا اور پیدا کرنے والے سے جھگڑا کرنے لگا اور اپنی ابتداء کے بھید سے نا
واقف ہو کر ابتداء کرنے والے سے منازعت شروع کی اور جس کی پیدائش نطفے سے
ہو اس کو کیسے لائق ہے اللہ سے احکام میں جھگڑا کرے اور اس کے جوڑ توڑ میں
مخالفت کرے، پس احتیاط کر اللہ کے آگے تدبیر چلانے سے تجھ پر اللہ کی مہر ہو۔

دل کی سیاہی

جاننا چاہیے کہ مطالعہ غیب سے بڑا حجاب قلب کیلئے تدبیر کرنا ہے اور بات یہی
ہے کہ نفس کیلئے تدبیر کرنے کا منشا نفس کی محبت ہے اور اگر نفس فنا ہو کر بقاء باللہ
حاصل کرتا تجھ کو اپنے لئے تدبیر کرنے اور بذات خود تدبیر کرنے سے غائب کر دے
اور ایسا بندہ کس قدر قبیح ہے کہ اللہ کے افعال سے جاہل ہو اللہ کی عنایت سے غافل
ہو۔ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا۔

قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ یعنی اے محمد ﷺ کہہ دو کہ اللہ کافی ہے۔

پس اللہ کو وہ شخص کہاں کافی سمجھتا ہے جو اس کے آگے تدبیر چلاتا ہے اور اگر
اللہ کو کافی سمجھتا تو یہ اعتقاد اس کو اللہ کے آگے تدبیر چلانے سے برطرف کر دیتا۔

وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ

یعنی جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کو کافی ہے۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ

یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے اور ڈراتے ہیں تم کو ان لوگوں سے جو خدا کے سوا ہیں۔

اور فرمایا حق تعالیٰ نے۔

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ فَانقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ

یعنی اہل ایمان ایسے ہیں کہ جن سے جب لوگوں نے کہا کہ اہل مکہ نے تمہارے مقابلے کے واسطے سامان جمع کیا ہے سو تم ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہا کہ ہم کو کافی ہے ہم کو اللہ اور وہی اچھا کارساز ہے پس یہ لوگ پھر لوٹ کر آئے اللہ کی نعمت اور فضل سے کہ نہیں لگی ان کو کچھ برائی اور پیروی کی انہوں نے خدا کی رضامندی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

مومن دل کو اس ارشاد خداوندی کی طرف بھی متوجہ کر

فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي

یعنی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام ہوا کہ جب تجھ کو موسیٰ کے بارے میں خوف ہو تو اس کو دریا میں پھینک دے اور خوف نہ کر اور غم نہ کر۔

یہ بات ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کی پناہ چاہنا زیادہ مناسب ہے جو وہ پناہ دیتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ

نہیں، اس کا فضل میرے فضل سے وسیع تر ہے اور اللہ مجھ سے زیادہ ان پر مہربان ہے تو اس بات کی فکر مت کر کہ جو دوسرے کی کفالت میں ہے اور اگر تیری تدبیر و اہتمام کسی مرض کے باعث ہے جو تجھ کو لاحق ہے اس کے طول اور امتداد مدت سے ڈرتا ہے تو یقین کر لے کہ ہر بیماری اور ہر بلا کی عمر مقرر ہے۔ جیسے کوئی جاندار نہیں مرتا جب تک اس کی عمر پوری نہ ہو۔ اسی طرح کوئی بلا نہیں ختم ہوتی جب تک اس کا وقت پورا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ۝

یعنی جب ان کی عمر پوری ہو جاتی ہے تو نہ پیچھے ہٹتے ہیں ایک ساعت اور نہ آگے بڑھتے ہیں۔

پیرزادہ کا قصہ: کسی شیخ کا ایک بیٹا تھا باپ مر گیا بیٹا رہ گیا اور فتوحات بند ہو گئے اس کے باپ کے بہت سے یار تھے یعنی مرید وغیرہ پورے عراق میں پھیلے ہوئے تھے اس نے فکر کی کہ ان میں سے کون سے یار کے پاس جائے پھر ارادہ کیا جو لوگوں میں سب سے زیادہ وجاہت رکھتا ہو اس کے پاس جانا چاہئے۔ ایک ایسے بھی تھے۔ ان کے پاس جا پہنچے انھوں نے تعظیم و تکریم کی اور کہا اے سردار اور سردار کے صاحبزادے تمہارے آنے کی کیا وجہ ہے؟ انھوں نے کہا میں نے اسباب دنیا پر اکتفا کیا میں چاہتا ہوں کہ حاکم شہر کے پاس میرا ذکر کر دو شاید میری کوئی صورت کر دے جس میں میرا گزر چلے۔ ان بزرگ نے بڑی دیر تک سر جھکایا پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ میرے امکان میں نہیں کہ سر شام کو صبح کر دوں یہ کہاں تم کہاں جب کہ تم اہل عراق کے حاکم بنائے جاؤ گے۔ ان بزرگ کو مکاشفہ سے معلوم ہو گیا کہ اس لڑکے کو چند روز میں عراق کی حکومت ملے گی مگر تقدیر الٰہی میں ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا اس لئے انھوں نے فرمایا کہ سر شام کو صبح نہیں کر سکتا یعنی جس وقت ملنا مقدر ہے اس وقت کو کیسے حاضر کر سکتا ہوں۔ وہ لڑکا غضب ناک ہو کر ان سے چلا گیا اور ان کی

بات نہیں سمجھا، اتفاقاً ایسا ہوا کہ خلیفہ کو اپنے لڑکے کے واسطے معلم کی تلاش ہوئی، کسی نے اس لڑکے کا پتہ دیا اور کہا کہ فلاں شیخ کا بیٹا ہے، غرض خلیفہ زادہ کی تعلیم کیلئے مقرر ہوا چند روز اس کو تعلیم دیتا رہا پھر اس کا مصاحب ہو گیا، یہاں تک کہ چالیس برس گزر گئے اس خلیفہ کا انتقال ہوا اس کا یہی لڑکا خلیفہ ہوا اس نے اپنے معلم کو حاکم عراق بنا دیا۔ اگر فکر و تدبیر بسبب زوجہ یا کنیز کے ہے جو مرگئی کہ تجھ سے تمام حالات میں مزاج سوافق آ گیا تھا اور تیری ضروریات کاروبار کو انجام دیتی تھی تو یہ یقین رکھ کہ جس نے تجھ کو عنایت کی تھی اس کا فضل و احسان ختم نہیں ہو گیا اور اس کو قدرت ہے کہ اپنی عنایت سے تجھ کو اس سے بڑھ کر دے دے جو حسن اور واقفیت میں اس سے زیادہ ہو، یہی جاہل مت بن اور جن وجوہ سے وقتاً فوقتاً فکر و تدبیر ہونے لگتی وہ بے شمار ہیں ان کا پورا بیان کرنا ممکن نہیں کیونکہ وہ گنتے چلے اور منحصر نہیں اور جب اللہ تعالیٰ فہم عنایت کرے خود تجھ کو بتلا دے گا کہ کیا علاج کرنا چاہئے۔

تدبیر کی اصل و بنیاد

جاننا چاہیے تدبیر جو نفس سے پیدا ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حجاب ہے اور اگر نفس کی وساوس اور خطرے سے قلب سالم اور محفوظ رہے تو تدبیر کا اس میں گزر نہ ہونے پائے اور میں نے اپنے شیخ ابو العباس مرسیؒ سے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی پر پیدا کیا اس میں اضطراب تھا پہاڑوں سے اس کو ٹھہرا دیا اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا۔

وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا اور پہاڑوں کو گاڑ دیا۔

اسی طرح جب نفس کو پیدا کیا مضطرب ہوتا تھا تو اس کو جبال عقل سے ٹھہرایا۔ پورا ہوا کلام شیخ ابو العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پس جس کی عقل کامل اور نور وسیع ہوتا ہے اس پر پروردگار کی جانب سے سکون نازل ہوتا ہے اور اس کا نفس اضطراب سے ساکن ہو جاتا ہے اور مسبب الاسباب پر یقین ہوتا ہے۔ پس مطمئن بن جاتا ہے یعنی

احکام الٰہیہ کے روبرو دب جاتا ہے ٹھہر جاتا ہے اس کی قضا کے آگے ثابت رہتا ہے، تائید خداوندی اور انوار غیب سے اس کی مدد ہوتی ہے، تدبیر اور مقابلہ تقدیر سے برطرف ہوتا ہے، اپنے رب کے حکم کو تسلیم کرتا ہے یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کیا کفایت نہیں کرتا تاکہ تیرا رب ہر شے پر حاضر و ناظر ہے پھر وہ نفس اس قابل ہوتا ہے کہ اس کو یوں خطاب کیا جائے۔

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝

یعنی اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف رجوع کر تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر داخل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔

آیت کے ذیل میں نفس کی تشریح: اس آیت میں ایسے نفس کی بڑی خصوصیتیں اور اوصاف مذکور ہیں۔

اول یہ کہ نفس تین طرح کے ہیں امارہ، لوامہ، مطمئنہ، حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں کسی نفس کو مخاطب نہیں کیا سوائے نفس مطمئنہ کے امارہ کی شان میں فرمایا:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ۔

اور لوامہ کی شان میں فرمایا:

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ

اور اس نفس کو خطاب کر کے فرمایا:

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔

دوسرا اس کا ذکر لقب سے فرمایا اور لقب عرب کے نزدیک تعظیم فی الخطاب کی دلیل ہے اور اہل عقل کے نزدیک افتخار کا باعث ہے۔

تیسرا طمانیت کے ساتھ اس کی مدح فرمائی اس میں تعریف نکلی کہ وہ مطیع ہے اور متوکل۔

چوتھا مرضیت کے ساتھ اس کو موصوف فرمایا اور مطمئن کہتے ہیں پست زمین کو جب اس نے تواضع انکسار کے ساتھ پستی اختیار کی مولا نے اس کی تعریف فرمائی تا کہ اس کی بڑائی ظاہر ہو۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس شخص نے تواضع کی اللہ کیلئے بلند قدر کیا اس کو اللہ نے۔

پانچواں اس کو فرمایا: ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

اس میں اشارہ ہے کہ نفس امارہ ولوامہ کو باعزاز رجوع ہونے کی اجازت نہیں بلکہ یہ بات نفس مطمئنہ کو نصیب ہے چونکہ اس میں وصف اطمینان پایا جاتا ہے اس لئے حکم ہوا کہ اپنے رب کی طرف خوش اور پسندیدہ ہو کر لوٹ آ کیونکہ تم نے تیرے لئے اپنی درگاہ میں آنا اور اپنی بہشت میں ہمیشہ رہنا مباح فرما دیا اس میں آدمی کو ترغیب ہے مقام اطمینان کی اور اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا تاوقتیکہ اطاعت اور ترک تدبیر اختیار نہ کرے۔

چھٹا ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ فرمایا ارْجِعِي إِلَى اللهِ نہیں فرمایا اور إِلَى اللهِ فرمایا۔ اس میں اشارہ ہو گیا کہ اس کا رجوع کرنا اللہ کی طرف باعتبار لطف ربوبیت کے ہے باعتبار قہر الوہیت کے نہیں اس میں اس کو مانوس کرتا ہے اور بنا لطف و کرم و عنایت ظاہر فرماتا ہے۔

ساتواں رَاضِيَةً فرمایا یعنی خوش ہوا تو اس سے دنیا میں اس کے احکام سے اور آخرت میں جو دوانعام سے اس میں بندہ کو آگاہ کرتا ہے کہ رجوع الی اللہ بغیر قناعت و رضا کے میسر نہیں ہوتا اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب تک کہ اللہ سے دنیا میں راضی نہ ہو اللہ کے نزدیک آخرت میں مرضی و پسندیدہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مَرْضِيَّةً پہ رَاضِيَةً کو مقدم کیا۔ اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ بندے سے خوش ہوتا ہے اس کا یہ ہے کہ بندہ اللہ سے خوش ہو اور دوسری آیت سے رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ معلوم ہوتا ہے کہ بندے کا خوش ہونا

جانب سے نتیجہ اس کا ہے کہ اللہ بندے سے خوش ہوا حاصل اعتراض یہ ہے کہ ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے رضا بندے کی طرف سے ہوتی ہے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جواب میں کہنا چاہیے کہ ہر آیت اپنے مضمون کو ثابت کر رہی ہے اور دونوں آیتوں کی تطبیق میں کچھ خفا نہیں وجہ یہ کہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا مدلول یہ ہے کہ وجود میں بھی پہلے اللہ کی طرف سے رضا ہوتی ہے پھر بندے کی طرف سے اور حقیقت اسی کو مقتضی ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اول ان سے راضی نہ ہو تو یہ کیسے راضی ہو سکتے ہیں، کیونکہ کمالات عبد کے بالعرض ہیں اور کمالات حق کے بالذات اور ما بالذات مقدم ہوتا ہے ما بالعرض پر۔

اگر از جانب معشوق نباشد کششے طلب عاشق بیچارہ بجائے نرسد

اور دوسری آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب بطریق مذکورہ بندہ اللہ سے دنیا میں راضی ہوگا اللہ اس سے آخرت میں خوش ہوگا اور یہ بات ظاہر ہے اس میں کچھ اشکال نہیں۔

<u>آٹھواں</u> اس کے حق میں فرمایا مرضیہ اور یہ اس نفس کی بڑی تعریف سب تعریفوں سے بڑھ کر ہے، کیا تو نے یہ ارشاد خداوندی نہیں سنا۔

رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ

یعنی اللہ کی طرف سے رضامندی ہونا سب سے بڑی دولت ہے۔

یہ بعد بیان نعیم اہل جنت کے فرمایا ہے، مطلب یہ ہوا کہ دولت رضا تمام نعماء جنت سے بزرگ تر ہے۔

<u>نواں</u> فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ فرمایا اس میں نفس مطمئنہ کو بڑی بشارت ہے کہ وہ خاص بندوں میں داخل ہونے کیلئے پکارا اور بلایا گیا اور یہ لوگ کون بندے ہیں جن کی شان میں فرمایا:

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ؕ

کے توڑنے جوڑنے میں اپنے کو اس کے سپرد کر دے گا۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ خلقت تدبیر و اختیار کے پیدا کرنے میں اپنی قہاریت کا ظہور کرنا ہے، پس جب حق تعالیٰ سبحانہٗ نے چاہا اپنے بندوں کو صفت قہر سے اپنی شناخت کرائے ان میں تدبیر و اختیار کو پیدا کیا پھر ان کو حجابوں سے وسعت دی تب کہیں تدبیر ان سے ممکن ہوئی کیونکہ اگر حضوری اور معاینہ میں رہتے تو تدبیر و اختیار ممکن نہ ہوتا جیسے ملاء اعلیٰ کو ممکن نہیں۔

پس جب بندوں نے تدبیر و اختیار شروع کیا اپنے قہر و غلبہ سے اس تدبیر کی طرف توجہ فرماتے ہوئے ان کے ارکان کو ہلا دیا اور ان کی عمارت کو گرا دیا جب اپنے غلبہ مراد سے بندوں کو اپنی شناخت کرائی ان کو یقین ہوا کہ بے شک وہی اپنے بندوں پر قاہر ہے سو ارادہ تیرے اندر اس لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ تیری چیز ہو بلکہ اس لئے پیدا کیا کہ اس کا ارادہ تیرے ارادے پر غالب آئے۔ پس تجھ کو معلوم ہو جائے کہ تیرا ارادہ کچھ نہیں اسی طرح تدبیر کو اسلئے نہیں بنایا کہ تجھ میں ہمیشہ رہا کرے بلکہ اسلئے بنایا کہ تو بھی تدبیر کرے پھر اس کی تدبیر جیسے تیری نہ چلے۔ اسی لئے کسی بزرگ سے جو پوچھا گیا تم نے اللہ کو کہاں سے پہچانا؟ جواب دیا ارادے کے توڑنے سے۔

فصل رزق کی فکر اور دنیا طلبی کے شیطانی دھوکوں کی تفصیل اور علاج

ہم نے اوپر وعدہ کیا تھا کہ تدبیر رزق کے بارے میں ایک مستقل باب لائیں گے۔ یعنی وہ باب یہی ہے، کیونکہ اکثر قلوب میں جو تدبیریں آتی ہیں وہ رزق کیلئے ہوتی ہیں۔ یعنی تقریر گزشتہ میں تو مطلق تدبیر کی بحث تھی اور یہاں خاص تدبیر رزق کی ہے، جاننا چاہیے کہ تدبیر رزق سے قلوب کا سالم رہنا بڑی عنایت ہے۔ یہ انہیں کو میسر ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے توفیق دیئے گئے ہیں۔ جنہوں نے اللہ کے ساتھ خوبی یقین میں سچا معاملہ کیا ہے، لوگ ان کے دلوں کو چین ہو گئی اور توکل کو تحقق کر لیا یہاں تک کہ بعض مشائخ کا قول ہے کہ رزق کے قصے کو میرے مضبوط کرلا (؟)

اور مقامات کو جانے دو، یعنی اپنے مریدوں سے فرمایا کہ رزق کے مقدمے میں توکل ٹھیک کرلو اور مقامات میں چنداں ریاضت کی حاجت نہیں اور بعض بزرگوں کا قول ہے کہ سب سے بھاری فکر یہ ہے کہ کھانے کا تقاضہ ہوتا ہے اور شیخ موصوف نے جو فرمایا ہے اس کی شرح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کو ایسی مدد کا محتاج بنایا ہے کہ اس کی ترکیب کو قائم رکھے اور اس کی قوت کو بڑھائے کیونکہ اس میں جو حرارت غریزی ہے وہ اجزائے بدن کو تحلیل کردیتی ہے اور جب غذا پہنچتی ہے اس کو معدہ طبخ دے کر (پکا کر اور ہضم کرکے) اس کا خلاصہ قبول کرلیتا ہے وہ جزو بدن اور تحلیل شدہ کا بدل ہوتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو انسانوں کو مدد ظاہری اور غذا کھانے سے مستغنی کردیتا مگر اس کو منظور ہوا کہ جاندار کا محتاج غذا ہونا اور اس کی طرف مضطر ہونا اور اپنا ان حاجات سے غنی ہونا ظاہر فرمائے اسی لئے حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ

یعنی کہہ دو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا خدا کے سوا کسی کو مددگار بناؤں اور خدا بھی کیسا آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اور وہ اوروں کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی مدح دو صفتوں سے فرمائی ایک یہ کہ اوروں کو کھلاتا ہے کیونکہ جتنے بندے ہیں سب اس کے احسان سے لے رہے ہیں اور اس کے رزق و منت سے کھا رہے ہیں اور دوسرا وصف یہ کہ کھاتا نہیں کیونکہ حاجت غذا سے مقدس ہے بلکہ وہ صمد ہے اور صمد اسی کو کہتے ہیں جس کو کھانے کی حاجت نہ ہو اور یہ کیا وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے حیوان ہی کو محتاج غذا بنایا اور موجودات کو نہیں بنایا وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانداروں کو اپنی صفات سے اس قدر عنایت فرمایا کہ اگر ان کو بھوک نہ لگتی تو خدا جانے کیا دعویٰ کر بیٹھتے یا کوئی دوسرا ان کی نسبت دعویٰ کرنے لگتے۔ اللہ تو بڑی حکمت والا خبردار ہے اس کو منظور ہوا کہ ان کو کھانے پینے کا محتاج بنادیں تاکہ بار بار کا محتاج ہونا سبب ہوجائے اس کا کہ نہ خود دعویٰ کرے نہ کوئی دوسرا اس کی نسبت

رجوع کر سکے۔

حیوانات کو ضروریات اور حاجات کا محتاج بنانے کا فائدہ

جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ نوع حیوان کو خواہ آدمی ہو یا غیر آدمی محتاج بناؤں تاکہ اس کو اللہ کی معرفت ہو یا اس کے ذریعے اللہ کی معرفت ہو اگر آدمی اپنے نفس پر غور کرے تو اس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اگر اس کے حالات میں کوئی دوسرا غور کرے تو اس کے ذریعے اس غور کنندہ کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ محتاج ہونا بھی اللہ تک پہنچنے کا بڑا ذریعہ ہے اور بڑا وسیلہ ہے۔ جو تجھ کو اللہ تک پہنچاتا ہے تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ أَنتُمُ ٱلْفُقَرَآءُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱللَّهُ هُوَ ٱلْغَنِىُّ ٱلْحَمِيدُ ۝

لوگو تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز تعریف کے قابل ہے۔

اس طرح محتاجی کو سبب بنایا اللہ تک پہنچنے کا اور اس کے روبرو ہر وقت حاضر رہنے کا اور شاید اس مقام میں تو سمجھ سکے گا معنی اس حدیث کے جو کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے پہچانا اپنے نفس کو اس نے پہچانا اپنے رب کو یعنی جس نے اپنے کو پہچانا ساتھ محتاجی اور فقر اور ذلت اور فاقہ اور مسکینی کے پہچانا اس نے اپنے رب کو ساتھ عزت اور غلبہ اور کرم اور احسان وغیرہ اوصاف کمال کے خصوصاً نوع آدمی میں اللہ تعالیٰ نے اسباب حاجت کو مکرر فرمایا اور انواع احتیاج کو متعدد کیا کیونکہ یہ محتاج ہے اپنے معاش و معاد کی اصلاح کا اس مقام میں اس آیت کو سمجھو۔

لَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ فِى كَبَدٍ ۝

یعنی ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا۔

یعنی دنیا و آخرت کے کاروبار میں چونکہ اللہ کے نزدیک یہ مکرم ہے اس لئے اسباب حاجت کو اس میں مکرر فرمایا۔ دیکھو کہ اقسام حیوانات جب اون اور بال اور لباس کے محتاج نہیں اور اپنے محتاج اور محمل کے سبب مرتبہ مستحق ہیں۔

فائدہ دوم: وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کا امتحان مقصود ہے ان کے متعلق چیزوں کا ان کو محتاج بنا دیا تاکہ دیکھیں اپنی حاجت کو تدبیر سے ان چیزوں کو حاصل کرتا ہے یا اللہ کی قسمت و تقدیر کی طرف رجوع کرتا ہے۔

فائدہ سوم: اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ بندے کا محبوب بنے، یعنی جس وقت اسباب حاجت نے کسی پر دباؤ کر کے وہ حاجت رفع کرتا ہے اس وقت اس کے نفس میں ایک حلاوت اور قلب میں ایک راحت پیدا ہوتی ہے اور یہ چیز محبت کا سبب ہوتا ہے۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے محبت کرو کیونکہ اپنی نعمتوں سے وہ تم کو غذا دیتا ہے، یعنی جس قدر نعمتیں زیادہ حاصل ہوتی ہیں ویسے ہی محبت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

فائدہ چہارم: اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس کا شکر کیا جائے، یعنی بندوں کو اول حاجت دار فرمائیں پھر ان کو پورا کیا تاکہ اس کا شکر ادا کریں اور اس کو احسان و منت کے ساتھ پہچانیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا

كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ
وَرَبٌّ غَفُورٌ

یعنی کھاؤ اپنے رب کی روزی سے اور شکر کرو اس کا شہر ہے عمدہ اور رب ہے بخشنے والا۔

فائدہ پنجم: اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوا کہ اپنے بندوں پر دروازہ مناجات یعنی رازونیاز کو کھول دے تو یہ جب وہ کھانے کے اور دوسری نعمتوں کے محتاج ہوتے ہیں بلکہ کسی کے محتاج ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اس کی مناجات سے مشرف ہوتے ہیں اور اس کے عطیات دیئے جاتے ہیں اور اگر حق تعالیٰ ان کو مناجات کی طرف نہ بلاتے تو تمام لوگ ہرگز اس کی حقیقت کو نہ سمجھیں اور اگر حاجت نہ ہوتی تو بجز ان خواص کے باب مناجات کو کوئی نہ کھولتا، یعنی حاجت ہی دروازہ کھولنے کا سبب مناجات کا ہے اور مناجات بڑی بزرگی ہے اور عزت کا بڑا مرتبہ ہے تم خیال نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی تعریف اس ارشاد میں فرمائی ہے:

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ
لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ○

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں لڑکیوں کی خاطر سے بکریوں کو پانی پلایا پھر سائے کی طرف پھر ے۔ پھر دعا کی کہ: اے پروردگار! بے شک میں اس رزق کا جو میرے لئے اتارا ہے محتاج ہوں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں قسم اللہ کی اور کچھ نہیں مانگا بجز ایک روٹی کے کہ اس کو کھائیں اور لاغری سے یہ حال ہو گیا تھا کہ پیٹ کی جھلی کے اندر سے ساگ کی سبزی نظر آتی تھی، پس غور کر تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کیونکہ یقین رکھتے تھے کہ بجز خدا کے کوئی کسی چیز کا مالک نہیں اور مومن کو ایسا ہی ہونا زیبا ہے، اللہ سے چھوٹی بڑی سب چیزیں مانگی جا ہیں۔ یہاں تک کہ بعضوں کا قول ہے کہ میں نماز میں اللہ سے مانگا کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ آٹے کا نمک بھی، اور اے ایمان والے! جس چیز کی حاجت ہو اس کے قلیل ہونے کے خیال سے مانگنے سے مت رہ، اگر قلیل اس سے نہ مانگے گا تو اس کے سوا کوئی دوسرا رب نہ ملے گا جو وہ چیز عنایت کرے اور مطلوب اگرچہ قلیل ہی ہو لیکن کیونکہ ذریعہ مناجات بن گیا اس اعتبار سے تو جلیل ہے۔

دعا کی حقیقت: یہاں تک کہ شیخ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ دعا میں اس کی فکر نہیں ہونی چاہیے کہ وہ کام پورا ہو گا یا نہیں، اس میں تو اپنے رب سے حجاب ہو جاتا ہے بڑا مقصد تو مناجات مولیٰ ہونا چاہیے۔

تشریح آیت: اور اس آیت میں چند فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ: یہ کہ مومن کو اپنے رب سے تھوڑا بہت سب مانگنا چاہیئے اور اس کو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔

دوسرا فائدہ: موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو اسم ربوبیت سے پکارا کیونکہ اس مقام کے مناسب بھی ہے کیونکہ رب اس کو کہتے ہیں جس نے تجھ کو اپنے احسان سے پالا

ہو اپنی منت سے مجھ کو عطا دی ہو۔ اس امر میں اپنے مالک کو مہربان بنانا ہے کہ اس کو اہم دینا ہے جیسے عطا کی جس کے آثار و فوائد بھی ان سے بندہ موقوف نہیں ہوتے۔

تیسرا فائدہ: یوں فرمایا رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ o یوں نہیں کہا: اِنِّیْ اِلَی الْخَیْرِ فَقِیْرٌ اس میں یہ نکتہ ہے کہ اگر اِلٰی خیر کے فقیر یا اِنی الخیر فقیر کہتے تو یہ بات نہ معلوم ہوتی کہ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ o تو نہ معلوم ہوتا کہ ان کو اللہ تعالیٰ سے یقین ہے اس کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھولے گا نہیں گویا اس طرح کہا کہ:

اے پروردگار! مجھ کو یقین ہے کہ تو مجھ کو ورشہ کی دوسری مخلوق کو مہمل چھوڑے گا اور تو میرا رزق نازل فرما چکا ہے اب اس نازل کئے ہوئے رزق کو میرے پاس جس طرح چاہے جس طریقے سے پہنچا دے احسان و امتنان کے ساتھ مقرون کر کے بھیج دے۔ سوال میں دو فائدے ہو گئے۔ ایک طلب دوسرا اقرار اس امر کا کہ اللہ تعالیٰ ان کا رزق نازل فرما چکا ہے مگر وقت اور سبب اور واسطہ معین نہیں فرمایا تاکہ بندے کو اضطرار ہو اور اضطرار کے ساتھ قبولیت ہوتی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ

آیا کون ہے کہ دعا قبول کرتا ہے مضطر کی۔

اگر سبب اور وقت اور واسطے کو معین فرما دیتے تو بندوں کو اضطرار نہ ہوتا جو کہ اہم مہم کے وقت حاصل ہے۔ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ حکمت والا، قدرت والا اور علم والا۔

چوتھا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا عبودیت کے منافی نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو مقام عبودیت میں کمال حاصل تھا۔ پھر بھی اللہ سے مانگا اس سے معلوم ہوا کہ طلب کرنا مقام عبودیت کے منافی نہیں۔

ایک شبہ کا جواب: اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر طلب کرنا مقام

عبودیت کے خلاف نہیں تو ابراہیم علیہ السلام نے کیوں نہیں طلب کیا؟ جب ان کو منجنیق میں رکھ کر پھینکا اور جبرئیل علیہ السلام نے آ کر پوچھا کہ آپ کو کچھ حاجت ہے اور آپ نے جواب دیا کہ تم سے تو نہیں ہاں اللہ سے ہے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام بولے اللہ ہی سے دعا کرو اور آپ نے فرمایا میرے مانگنے سے اس کا جاننا بس کرتا ہے سو علم الہی پر اظہار طلب سے اکتفا کیا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہر مقام پر وہی معاملہ کرتے ہیں جس کو اللہ کی طرف سے سمجھ لیتے ہیں کہ یہ مناسب ہے۔ سو ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس مقام پر یہی مقصود ہے کہ طلب نہ کروں اور اس کے جاننے پر کفایت کروں سو یہ اسی کے موافق تھا جو اللہ کی طرف سے سمجھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو منظور تھا کہ اپنا راز وعنایت جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھی ملاء اعلیٰ پر ظاہر کردوں جن سے اللہ تعالیٰ نے مشورہ فرمایا تھا کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں اور انہوں نے کہا تھا کہ آپ ایسے شخص کو مقرر فرماتے ہیں جو زمین میں فساد وخونریزی کرے گا اور ہم تو تسبیح وتحمید وتقدیس آپ کی کرتے ہیں۔ اللہ نے جواب دیا کہ بے شک میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔ پس جس روز ابراہیم علیہ السلام منجنیق میں پھینکے گئے ہیں اللہ تعالیٰ کو اس ارشاد کا بھید ظاہر کرنا منظور ہوا کہ میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔ گویا اس طرح فرمایا کہ: اے وہ لوگو جو یوں کہتے تھے کہ آپ مفسد اور خونریز کو زمین میں خلیفہ بناتے ہیں تم نے میرے خلیل کو کیسا دیکھا زمین میں اہل فساد سے جو خرابیاں ہونے والی ہیں جیسے نمرود اور اس کے امثال سے ہوئیں تم نے ان پر تو نظر کی اور اہل اصلاح اور رشد سے جو خیر ہونے والی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام سے اور جو اہل عشق میں سے ان کے پیرو ہیں ان سے ہوگی اس پر نظر تم نے نہ کی۔ رہے موسیٰ علیہ السلام ان کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اس وقت یہی مقصود ہے کہ احتیاج ظاہر کریں اور زبان سوال کھولیں سو مقتضائے وقت کا حق پہچاننے اور ہر ایک کی ایک جہت ہے جس طرف اس کا رخ ہے اور سب کے پاس دلیل روشن اور ہدایت اور توفیق من اللہ اور رعایت ہے۔

<u>پانچواں فائدہ:</u> غور کرو کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے کس طرح رزق طلب کرتے ہیں کہ صراحۃً نہیں مانگا، بلکہ اللہ کے روبرو اپنے فقر و حاجت کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ کے غنی ہونے کی گواہی دی، کیونکہ انھوں نے جب اپنے کو فقر و فاقہ سے پہچانا اس وقت اپنے رب کو غنی اور پھر یوں ہی کے ساتھ پہچانا اور یہ مناجات کے بساطوں میں سے ایک بساط ہے۔ یعنی طریق مناجات سے ایک طریقہ ہے اور یہ بساط بہت ہیں کبھی اللہ تعالیٰ تجھے بساط فقر پر بیٹھاتا ہے اس وقت تو پکارے گا یا غنی، کبھی بساط ذلت پر بیٹھاتا ہے تو اس وقت پکارے گا یا عزیز، یا کبھی بساط عجز پر بیٹھاتا ہے تو پھر پکارے گا یا قوی، اسی طرح باقی اسماء ہیں سو موسیٰ علیہ السلام نے فقر و فاقہ کا اقرار کیا اس میں تعریض و اشارہ ہو گیا طلب کا اگرچہ صاف طلب نہیں ہوئی اور تعریض طلب کبھی اس وقت ہوتی ہے کہ بندہ اپنے اوصاف فقر و حاجت کو ذکر کرتا ہے اور کبھی اس طرح ہوتی ہے کہ اپنے مالک کے اوصاف جہات یکتائی بیان کرتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: میری اور انبیاء سابقین کی سب دعاؤں میں افضل یہ ہے: لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ سو اللہ کی ثنا کو بھی دعا فرمایا۔ کیونکہ اپنے غنی مالک کے اوصاف کمال ذکر کر کے تعریف کرنا اس کے فضل و عطاء کا تعریضاً مانگنا ہے جیسا شاعر کا قول ہے ؎

اسقدر ہے صاحب خلق کریم	خلق پیماں اس کا ہے صبح و مسا
گر کرے اس کی ثناء کبھی کوئی	مانگنے سے اس کو کافی ہے ثناء

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی حکایت میں فرمایا۔

فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں بے موقع کام کرنے والوں میں کا ہوں۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

پاؤں جاؤں گا تو اس کو بوجہ مجبوری کھن لینا جائز ہے۔ بہرحال پاؤں جانا واجب نہیں۔ کیونکہ شریعت کا خاص یہ مقصود نہیں کہ لوگ تنگی میں پڑیں اور شریعت لوگوں کو لذات حاصل کرنے سے نہیں روکتی اور کیونکر روکے آخر یہ لذات تو انہیں کیلئے پیدا کیے گئے ہیں۔

نفس کی لذتیں حاصل کرنے کا ایک واقعہ

ربیع بن زیاد حارثیؒ نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ میرے بھائی عاصم کے مقدمے میں میری مدد فرمایئے۔ آپ نے پوچھا اس کا کیا حال ہے؟ عرض کیا کمبل اوڑھا ہے۔ فقیر بننا چاہتے ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لاؤ۔ غرض وہ اس ہیئت سے حاضر کیے گئے کہ ایک کمبل باندھے ہوئے تھے اور دوسری کملی اوڑھے ہوئے تھے۔ سر اور داڑھی کے بال میلے پریشان تھے، آپ ان کو دیکھ کر ترش وخفا ہوئے اور فرمایا تیرے حال پر افسوس ہے تجھ کو اپنی بیوی سے شرم نہ آئی۔ تجھ کو اپنے بچے پر ترس نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ تیرے لئے ستھری چیزیں مباح کرے پسند نہیں کرتا کہ تو ان میں سے کچھ کھائے۔ تیری قدر اللہ کے یہاں اتنی کہاں ہے، کیا تو نے اللہ کا یہ قول نہیں سنا۔ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ اِلٰی قَوْلِهٖ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں اس لئے مباح کی ہیں کہ برتیں اور اللہ کی تعریف کریں پھر اللہ ثواب دے اور اللہ کی نعمتوں کو ابتذال فعلی قولی ابتذال سے بہتر ہے۔ یعنی کھانے پینے برتنے میں تو فعلاً ابتذال ہے اور انکار میں قولاً ابتذال ہے کہ اس کو بے قدر سمجھ کر چھوڑ دیا تو برتنا ترک سے بہتر ٹھہرا۔ یہ عاصمؒ بولے پھر آپ کی کیا حالت ہے کہ موٹا کھاتے ہیں اور موٹا پہنتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا تجھ پر افسوس ہے اللہ تعالیٰ نے ائمہ حق (یعنی مسلم بادشاہوں اور ذمہ دار لوگوں) پر اسی بات کو فرض کیا ہے کہ اپنے کو غریب لوگوں کے برابر رکھیں۔ تاکہ غرباء کو ان تک رسائی ہو اور ان کی حالت دیکھ کر تسکین ہو اور بہت محفوظ رہیں۔ حضرت علیؓ کی تقریر سے واضح ہو گیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے یہ نہیں طلب کیا کہ لذات

کو چھوڑ دیں بلکہ ان کو شکر ادا کرنے کا حکم کیا ہے۔ یوں فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے۔

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ

یعنی اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ

یعنی اے ایمان والو! عمدہ ستھری چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں کھاؤ اور شکر کرو اللہ کا۔

اور فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا

یعنی اے پیغمبرو! کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو اچھے۔

یوں نہیں فرمایا کہ کھاؤ مت، بلکہ یوں فرمایا کہ کھاؤ اور عمل کرو۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ دونوں آیتوں میں طیبات سے مراد حلال چیزیں ہیں کیونکہ شریعت کی نظر میں تو طیب وہی ہیں تو جواب سمجھو کہ یہ بھی ممکن ہے کہ طیبات سے مراد عمدہ چیزیں ہیں۔ کیونکہ وہ اس وجہ سے طیب ہیں کہ ان کے ساتھ لذت و خوشبو یا خوب متعلق نہیں ہوا اور یہ بھی ممکن ہے کہ شریعت سے مراد لذیذ کھانے ہوں اور طیبات ان کی اباحت اور کھانے کی اجازت کی ہے کہ ان کا کھانے والا مست رہے۔ پھر ان کی بہت شکر کیجئے بلکہ اور خدمت بجالائے اور حق نعمت کی رعایت کرے۔

شیخ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ میرے شیخ نے مجھ سے فرمایا اے بیٹا پانی ٹھنڈا پیا کرو کیونکہ بندہ جب گرم پانی پیتا ہے تو الحمد للہ کراہت سے کہتا ہے اور جب ٹھنڈا پانی پیتا ہے تو ہر ہر عضو الحمد للہ کہنے میں ساتھ دیتا ہے۔ پھر فرمایا وہ جو گھڑی والے کا قصہ ہے (جو اوپر گزرا) وہ سب حسب حال ہے اس کا اقتدا نہیں کیا جائے گا۔

حق تعالیٰ ہی رزق پہنچانے کا ذمہ دار ہے

اس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ حیوان کو خصوصاً آدمی کو غذا کے محتاج بنائے

میں (جو اس کو مدد پہنچاتی ہے) کیا حکمت ہے اب اس میں گفتگو کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس غذا دینے اور اس کے پہنچنے کی کفالت فرمائی ہے۔

سو جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے سب حیوان کو ایک مدد کا محتاج بنایا جو اس کی امداد کرے ورغذا کا محتاج بنایا جس سے اس کا وجود قائم رہے اور ان دونوں جنس یعنی انسان وجن کی خلقت اس لئے ہوئی ہے کہ ان کو عبادت کا حکم ہو اور ان سے اپنی اطاعت کا مطالبہ ہو اس لئے ان کو بے فکر کرنے کیلئے یہ فرمادیا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝

یعنی نہیں پیدا کیے میں نے جن اور انسان مگر اس واسطے کہ میری عبادت کریں میں ان سے رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھ کو کھلائیں۔ بے شک اللہ رزق دینے والا قدرت والا زوردار ہے۔

سو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ ان دونوں جنس کو صرف عبادت کیلئے پیدا کیا یعنی اس واسطے پیدا کیا کہ ان کو عبادت کا حکم کریں جیسے کوئی اپنے غلام سے کہے کہ اے غلام میں نے تجھ کو صرف اس لئے خریدا ہے کہ تجھ کو خدمت کا حکم کروں۔ ورنہ تو اس کو بجالائے۔

فائدہ: یہ تاویل اس واسطے کی کہ معتزلہ کا مذہب ٹوٹ جائے۔ چنانچہ آگے آتا ہے اور کبھی غلام مخالفت اور سرکشی کرتا ہے اور تیرا خریدنا اس واسطے نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ تیری مہمات (مشکل کام) بجالائے اور تیرے کام پورے کرے۔

معتزلہ کا مذہب اور اس کی تردید: اور معتزلی لوگ اس آیت کو ظاہر پر مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو صرف اطاعت کیلئے پیدا کیا ہے اور کفر ومعصیت کے خالق خود بندے ہیں اور ہم اس مذہب کو اوپر باطل کر چکے ہیں۔ حاصل جواب کا اہل حق کی طرف سے یہ ہے کہ قصد دو ہیں ایک قصد تشریعی، دوسرا

قصد تکوینی۔ سو اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ صرف عبادت کے قصد سے ان کو پیدا کیا یہ قصد تشریعی ہے کہ وہ معصیت کے ساتھ متعلق نہیں کیونکہ شرع میں اس سے ممانعت ہے اور قصد تکوینی یعنی تخلیقی اطاعت و معصیت دونوں کے ساتھ متعلق ہے۔ لقولہ تعالیٰ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ٥ سو معتزلہ نے اس آیت میں قصد تکوینی مراد لیا ہے۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ تاکل اور حکمت تخلیق ایجاد کے بیان کر دینے میں لوگوں کو جتلا دینا اور آگاہ کرنا ہے کہ کس واسطے پیدا ہوئے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا جو ان کے مقصد میں مقصود ہے اس سے ناواقف رہیں اور طریق ہدایت سے بھٹک نہ جائیں اور رعایت حقوق کو چھوڑ نہ دیں اور بعض اخبار میں آیا ہے کہ ہر روز چار فرشتے آپس میں سوال جواب کرتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کاش! یہ خلقت پیدا نہ ہوتی؟ دوسرا کہتا ہے کہ اگر پیدا ہو چکے تھے تو کیا جانتے کہ کیوں پیدا ہوئے۔ تیسرا کہتا ہے کہ جب جانتے کہ کیوں پیدا ہوئے تو علم کے موافق عمل کرتے۔ چوتھا کہتا ہے کہ اگر عمل نہیں کیا تھا تو برے اعمال سے توبہ ہی کرتے۔ پس حق تعالیٰ نے اس امر کو بیان کیا کہ بندوں کو ان کی ذات کیلئے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس واسطے پیدا کیا کہ اللہ کی عبادت اور توحید میں مشغول ہوں۔ کیونکہ تو غلام اس لئے نہیں خریدتا کہ وہ اپنے کام میں لگا رہے، بلکہ اس لئے خریدتا ہے کہ تیری خدمت کرے۔ پس یہ آیت ایسے لوگوں پر حجت ہے کہ اپنے حظوظ نفسانیہ میں رب کے حقوق سے اور اپنے ہوائے نفسانی میں مولیٰ کی اطاعت سے غافل ہیں۔

<u>ابراہیم بن ادہم کی توبہ:</u> اسی لئے ابراہیم بن ادہم جب شکار کو نکلے تو گھوڑے پر چڑھے ہوئے ہاتف کی آواز سنی اور یہی ان کی توبہ کا باعث ہوا۔ وہ ہاتف کہتا ہے: اے ابراہیم کیا اسی لئے تو پیدا کیا گیا ہے یا تجھ کو یہی حکم ہوا ہے؟ پھر دوسری آواز سنی اے ابراہیم نہ اس لئے تو پیدا ہوا ہے نہ تجھ کو یہ حکم ہوا ہے، سو سمجھدار وہ شخص ہے جو حکمت ایجاد کو سمجھ کر اس پر عمل کرے اور قصد حقیقی یہی ہے جس کو یہ عنایت ہوا اس کو بڑی نعمت ملی۔

امام مالکؒ کا فرمان اور فقہ کی تعریف: اسی کے حق میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ فقہ کثرت روایت سے نہیں ہوتا بلکہ فقہ ایک نور ہے جس کو اللہ جل شانہٗ قلب میں رکھ دیتا ہے اور میں نے اپنے شیخ ابو العباسؒ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ فقیہ وہ شخص ہے جس کے دیدۂ دل سے حجاب ہٹ جائے، وہی جس کو اللہ کی طرف سے حکمت ایجادکی سمجھ عنایت ہوگی کہ صرف اس کو اپنی اطاعت کیلئے پیدا کیا ہے اور صرف خدمت کیلئے بنایا، اس کا یہ سمجھنا سبب ہو جائے گا۔ دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کی طرف رخ کرنے کا اور حظوظ نفسانیہ کو چھوڑ کر فکر معاد و آمادگی کے ساتھ اپنے مالک کے حقوق میں لگ جانے کا یہاں تک کہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر مجھے خبر دی جائے کہ تو کل کو مر جائے گا تو اپنے نفس میں کچھ تغیر نہ پاؤں، کیونکہ آخرت کیلئے تو تیار ہی بیٹھا ہوں۔

کسی بزرگ سے ان کی ماں نے کہا اے بیٹا! تو روٹی کیوں نہیں کھاتا؟ جواب دیا کہ روٹی چبانے اور چبے ہوئے کھانے میں پچاس آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی عقلوں کو انتظار ہول قیامت اور ملاقات جبار نے اس دنیا سے غافل کر دیا ہے اور اس خیال نے دنیا کی لذت کی آگاہی اور مسرت کی خواہش سے دور ڈال دیا۔

یادِ الٰہی میں غرق انسانوں کے قصے

یہاں تک کہ ایک عارف کہتے ہیں میں ملک مغرب میں کسی شیخ کے پاس ان کے گھر گیا اور وضو کیلئے پانی بھرنے اٹھا، وہ شیخ اٹھ کر بھرنے لگے، میں نے منع کیا، انہوں نے نہ مانا، اور رسی کا سرا اپنے ہاتھ میں باندھا تاکہ ڈول چھوٹ نہ جائے اور گھر میں ان کے قریب کنوئیں کے کنارے پر زیتون کا درخت تھا کہ گھر پر مثل شامیانہ پھیلا ہوا تھا۔ میں نے کہا اے حضرت رسی کا سرا اس درخت سے کیوں نہیں باندھ دیتے۔ فرمانے لگے آیا یہاں درخت بھی ہے، مجھ کو اس گھر میں ساٹھ برس ہوئے مگر مجھ کو خبر نہیں کہ اس گھر میں درخت بھی ہے۔ سوائے طالب ذرا یہ حکایت

اور کے مشکل کان کھول کر سن تجھ کو معلوم ہوگا کہ اللہ کے ایسے بندے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنے ساتھ مشغول کر کے سب سے غافل کر دیا ہے اور کوئی شے ان کو اللہ سے غافل نہیں کر سکتی، ان کی عقل کو اس کی عظمت نے کر خود رفتہ کر دیا ہے۔ ان کی عقول کو اس کی محبت نے متحیر بنا دیا ان کے دلوں میں اس کی محبت بیٹھ گئی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان کے زمرے میں شامل کرے اور ان سے جدا نہ کرے۔

اسی طرح کی اور حکایت ہے کہ صعید (ایک مقام کا نام) میں کوئی ولی کسی مسجد میں رہتے تھے۔ کسی خادم نے اجازت چاہی کہ مسجد میں جو کھجور کے دو درخت کھڑے ہیں ایک میں سے ایک شاخ توڑ لیں، انہوں نے اجازت دے دی۔ اس شخص نے پوچھا کہ حضرت کون سے درخت سے زرد سے یا سرخ سے، فرمایا اے بیٹا مجھ کو اس مسجد میں چالیس برس ہو گئے مجھ کو زرد و سرخ کا حال معلوم نہیں۔

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کے بچے ان کے گھر میں پھرا کرتے اور وہ پوچھتے تھے کہ یہ کس کے لڑکے ہیں؟ جب تک بتلائے نہ جاتے تھے پہچانتے نہ تھے۔ اللہ کے ساتھ ایسے مشغول رہتے، ایک بزرگ اپنی اولاد کو دیکھ کر کہتے کہ اگرچہ ان کا دیکھنا بھی عبادت ہے لیکن مجھ کو یہ خوف ہے کہ یہ دیکھنا مقصود حقیقی سے علیحدہ کر دے گا۔

<u>فوائد آیت اور مقصود کا بیان:</u> جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ میں نے جن و انس کو عبادت ہی کیلئے پیدا کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ ان کو حوائج بشریہ پیش آئیں گے کہ اپنے مقتضا کے موافق ان سے مطالبہ کریں گے اور اقتضا کی توجہ عبادت کو مشوش کریں گے۔ اس واسطے ان کیلئے رزق کی کفالت فرمائی تا کہ خدمت خداوندی فراغت سے کریں اور طلب رزق میں لگ کر عبادت سے غافل نہ ہو جائیں سو فرمایا:

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ

یعنی میں ان سے یہ نہیں چاہتا کہ اپنے کو رزق دیں۔

کیونکہ میں اپنی کفایت و کفالت سے اس میں کافی ہو چکا ہوں۔

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝

یعنی میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ لوگ مجھے کھلائیں۔
کیونکہ میں تو بے نیاز ہوں جس کو کھانے کی حاجت نہیں ہے، اسی لئے اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝

یعنی چونکہ میں ان کا رزق دینے والا ہوں اس لئے یہ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے لئے سامان رزق کریں اور چونکہ میں قوت والا ہوں اس لئے یہ نہیں چاہتا کہ وہ مجھے کھلائیں۔
کیونکہ جس کی ذاتی قوت ہوگی وہ کھلائے جانے سے غنی ہوگا۔ بلکہ یہ آیت اس مضمون کو مشتمل ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے رزق کا کفیل ہے، خود فرمایا اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ اور ایماندار وں پر یہ بات لازم ٹھہرادی کہ رزق رسانی میں اس کو یکتا سمجھیں اور اس کا شریک بھی مخلوق کی طرف منسوب نہ کریں اور اسباب اور انتساب کی جانب معتقد نہ ہوں۔ (یعنی یوں دل سے بھی نہ زبان سے کہیں کہ ہم نے ایسا کیا تو روزی حاصل ہوئی یا فلانے کے کرنے یا اپنی عقل و خرد کی بدولت مال کریں کہ جو کچھ ملا ہے صرف مرضی حق سے ملا ہے، اگرچہ بظاہر کسی ذریعے سے ملا ہو یقین اس کے خلاف ہیں)

علم نجوم کا اثر ایمان پر

دو راوی کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ نے وقت جس کی رات کو بارش ہو چکی تھی فرمانے لگے کہ تم کو کچھ خبر ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کو تو کچھ خبر نہیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ آج صبح کو میرے بندوں میں سے بعضے مومن ہوئے بعضے کافر۔ سو جس نے کہا کہ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہم پر بارش ہوئی، وہ شخص تو مجھ پر ایمان لایا اور ستارے کے ساتھ انکار کیا اور جس نے کہا چاند کی فلاں منزل یا فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی۔ اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستارے پر ایمان لایا۔ پس اس حدیث میں اہل ایمان کو بڑا فائدہ اور اہل یقین کو بڑی بینائی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کی

تعلیم ہے اور امید ہے کہ یہ حدیث مومن کو علم نجوم اور ان کی تاثیرات کے قائل ہونے سے روکنے کیلئے کافی ہے۔ اور جاننا چاہیے کہ قضائے الٰہی تیرے مقدرے میں مقدر ہے کہ ضرور اس کو نافذ فرمائے گا اور اس کا حکم مقرر ہے کہ اس کو ظاہر فرمائے گا۔ پھر علام الغیوب کے علم کی جستجو کرنے سے کیا فائدہ ہے، حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندوں کے احوال جستجو کرنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے: لَاتَجَسَّسُوْا تو غیب خداوندی کی جستجو کرنا ہم کو کیسے زیبا ہے؟ کسی نے خوب کہا ہے۔

نجومی کو کہو جاتا ہے تیری	تکلم تو کب کو نہیں میں مانتا
جو خدا چاہے وہی ہوگا ضرور	بالیقین اس امر کو ہوں جانتا

فائدہ: جاننا چاہیے کہ صیغہ رزاق کا فعال کے وزن پر آنا مبالغہ معنی رزق کو مقتضی ہے سو رزاق زیادہ بلیغ ہے۔ رزاق سے کیونکہ فعال مبالغے میں فاعل سے زیادہ بلیغ ہے۔ سو ممکن ہے کہ یہ مبالغہ اس وجہ سے ہو کہ جن کو رزق دیا جاتا ہے ان کی تعداد بہت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود چونکہ رزق بھی بہت ہے اس لئے مبالغہ ہوا اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں امر مقصود ہوں۔

دوسرا فائدہ: جاننا چاہیے کہ جس مضمون سے مقصود ہو اس پر صفت کی دلالت فعل کی دلالت سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔ سو تیرا یہ کہنا کہ زَیْدٌ مُحْسِنٌ اس سے زیادہ بلیغ ہے کہ زَیْدٌ یُحْسِنُ یا قَدْ اَحْسَنَ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت تو ثبوت اور استقرار پر دلالت کرتی ہے اور فعل اپنی اصلی وضع میں تجدد اور انقراض کیلئے ہے اسی جہت سے اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ کہنا سے زیادہ بلیغ ہے، اور اگر اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ یَرْزُقُ فرماتے تو صرف اثبات رزاقیت کو مفید ہوتا حصر حاصل نہ ہوتا جب اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ کہا تو انحصار کا بھی فائدہ دیا تو جب اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ کہا تو گویا یوں کہا کہ لَا رَازِقَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی کوئی رازق نہیں سوائے اللہ کے۔

دوسری آیت رزق اور اس کے فائدے:

دوسری آیت رزق کے باب میں یہ ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ

یعنی اللہ ایسا ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو وفات دے گا پھر تم کو جلائے گا۔

یہ آیت دو فائدوں کو متضمن ہے۔

پہلا فائدہ: یہ کہ خلق و رزق دونوں ساتھ ساتھ ہیں، یعنی جیسا تم نے اللہ کی خالقیت کو تسلیم کر لیا خود دعویٰ خالقیت نہیں کرتے، اسی طرح رازقیت بھی تسلیم کر لو اور رزاقی کے مدعی مت ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ جیسا تخلیق و ایجاد میں یگانہ ہے ایسا ہی رزاقی اور مدد پہنچانے میں یکتا ہے۔ اس لئے دونوں کو ساتھ ذکر کیا تاکہ بندوں پر حجت قائم ہو اور ان کو اس سے ممانعت ہو کہ اس کے رزق کو دوسرے کی طرف سے سمجھیں اور اس کے احسان کو مخلوق کی طرف سے منسوب کریں اور اللہ تعالیٰ جیسا بلا واسطہ و بلا سبب اسباب خالق ہے، اسی طرح بے واسطہ بے سبب رزاق بھی ہے۔

دوسرا فائدہ: یہ کہ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتا دی کہ رزق کا قصہ گزر چکا اور اس کی بات پختہ ہو چکی۔ اب قضا کسی وقت اس میں کوئی نئی بات نہیں کرتی اور زمانے کے آنے پر اس کے آنے کا منتظر نہیں البتہ اس کا ظہور تازہ ہوتا ہے نہ کہ ثبوت اور رزق کا لفظ دو قسم کے رزق پر بولا جاتا ہے۔ ایک وہ جو ازل میں مقدر ہو چکا دوسرا وہ جو بندہ کے موجود ہونے کے بعد ظاہر ہونا شروع ہوا اور اس آیت میں دونوں معنوں کا احتمال ہے۔ پس اگر مراد وہ رزق ہے جو مقدر ہو چکا اس وقت ثُمَّ محض ترتیب ذکری کیلئے ہے، اور ترتیب وقوعی کیلئے نہیں ورنہ لازم آنے گا کہ بعد پیدا کرنے کے رزق مقدر فرمایا جانا حالانکہ تقدیر سابق ہے ایجاد سے۔ اور اگر مراد کسی سے وہ رزق ہے جو بعد وجود ظاہر کیا سو یہ آگاہ کرتا ہے۔ تاکہ عبرت حاصل ہو، یعنی تخلیق کے بعد جو رزق دیا جاتا ہے وہ تو ظاہری ہے، پھر مقدر دینے سے کیا فائدہ، جواب دے دیا کہ اہل غفلت کو آگاہ کرنا مقصود ہے۔

اور مقصود اس آیت سے جس کیلئے یہ بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے الوہیت کا ثابت کرنا ہے گویا یوں کہا جاتا ہے کہ اے غیر اللہ کے پرستش کرنے والو! اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر روزی پہنچائی۔ پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو جلائے گا۔ کیا یہ اوصاف غیر اللہ میں پائے جاتے ہو؟ یا کسی مخلوق میں ان اوصاف کا ہونا ممکن ہے؟ سو جو ذات ان اوصاف میں یگانہ ہے اسی کی الوہیت کا اقرار کرنا چاہیے اور اسی کو معبود یکتا واحد سمجھنا چاہیے۔ اسی واسطے اس کے بعد فرمایا:

هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذَٰلِكُمْ مِنْ شَيْءٍ
سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ٥

یعنی آیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔ پاک ہے وہ اور برتر ہے اس چیز سے کہ شریک لاتے ہیں۔

تیسری آیت رزق اور اس کے فوائد:

تیسری آیت رزق کے مقدمے میں یہ ہے۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ
نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ٥

یعنی حکم کر اے محمد ﷺ اپنے گھر والوں کو نماز کا اور اس پر قائم رہ ہم تم سے روزی نہیں مانگتے ہم تم کو خود روزی دیں گے اور نیک انجام تقویٰ کا ہے۔

اور اس آیت میں چند فوائد ہیں۔

پہلا فائدہ۔ جاننا چاہیے کہ اگرچہ خطاب اس آیت کے پیغمبر خدا ﷺ ہیں مگر اس کا حکم اور وعدہ آپ کی امت کے ساتھ بھی متعلق ہے۔ یعنی ہر بندے کو کہا جاتا ہے۔ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ٥ جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو جاننا چاہیے کہ اے بندے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو یہ فرمایا ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کر۔ کیونکہ جیسا اسباب دنیاوی سے ان کے ساتھ سلوک کرتا اور ان کی خدمت کا خیال رکھتا ہے

واجب ہے۔ اسی طرح یہ سلوک کرنا بھی تجھ پر واجب ہے کہ ان کو اطاعت الٰہی کی طرف رغبت دے اور اس کی نافرمانی سے بچائے اور جیسا تیرے گھر والے دنیاوی سلوک کے مستحق ہیں۔ اسی طرح اخروی کے بھی مستحق ہیں، دوسرے یہ کہ وہ تیری رعیت ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته

یعنی تم سب سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کا حال پوچھا جائے گا۔

اور دوسری جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ

یعنی اپنے قرابت والے کنبے کو ڈراؤ۔

جیسا یہاں فرمایا:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ

دوسرا فائدہ: دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر خدا ﷺ کو اس آیت میں اول یہ فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو، پھر حکم کیا کہ تم بھی دوام کرو، تاکہ یہ بات جتلا دے کہ یہ آیت خاص اسی مضمون کیلئے بیان کی گئی ہے کہ گھر والوں کو نماز پڑھاؤ اور دوسرا مضمون طبعاً ضمناً آ گیا ہے۔ اگرچہ بذات خود وہ بھی مقصود ہو، لیکن چونکہ بندہ یقیناً جانتا ہے کہ مجھ کو تو نماز کا حکم ہے ہی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے بندوں کو ایسے امر سے آگاہ فرما دے جس کا مہمل چھوڑ دینا ممکن ہے۔

ف: یعنی گھر والوں کو نماز پڑھوانا اس لئے اپنے رسول کو حکم فرمایا تاکہ دوسرے لوگ بھی سمجھیں اور پیروی کریں، پھر اس کی طرف دوڑیں اور اس کی بجا آوری پر دوام کریں۔

تنبیہ: جاننا چاہیے کہ تجھ پر واجب ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرے جیسے بیوی، لونڈی، بیٹی اور ان کے سوائے جو اپنے متعلق ہوں اور نماز چھوڑنے پر ان کو مارنا بھی جائز ہے اور اللہ کے پاس تیرا یہ عذر قبول نہیں کہ میں نے تو کہا تھا انہوں نے

منافی نہیں۔ اگر گھر والوں کو یقین ہو جائے کہ تجھ پر ان کا نماز چھوڑنا اس قدر شاق ہے جیسے کھانا بگڑ جاتا یا ضروری کام کا رہ جاتا تو ہرگز نماز نہ چھوڑیں، مگر ان کو تو عادت ہوگئی ہے کہ تو ان سے اپنے حظوظ نفسانیہ میں (اپنی خواہشات کا) مطالبہ کرتا ہے اور اللہ کے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتا۔ اسی لئے وہ لوگ ان حقوق کی رعایت نہیں رکھتے اور جو شخص خود نماز کا پابند ہو اور اس کے گھر والے نماز نہ پڑھتے ہوں اور وہ ان کو تاکید بھی کرتا ہو تو قیامت کے روز ان ہی لوگوں کی جماعت میں اٹھے گا جو نماز کو ضائع کرنے والے تھے اور اگر کوئی کہے کہ میں نے تو ان سے کہا تھا، مگر انہوں نے نہیں کیا اور ان کو نصیحت کی تھی، مگر انہوں نے نہیں مانا اور مار پیٹ کی بھی سزا دی مگر وہ کسی طرح سے سیدھے ہی نہیں ہوتے، اب میں کیا کروں۔ جواب یہ ہے کہ تجھ کو چاہئے کہ جس کی مفارقت طلاق و بیع سے ممکن ہے۔ (مثلاً غلام یا باندی ہو تو اس کو فروخت کر دے بیوی ہو تو طلاق دے دے) اس سے مفارقت کر اور جس سے مفارقت ممکن نہیں (مثلاً ماں باپ یا اور یا بہن بھائی وغیرہ) اس سے اعراض کر اور اللہ کیلئے ان سے بولنا چھوڑ دے۔ کیونکہ اللہ کیلئے کسی سے جدا ہونا اللہ سے وصل کرتا ہے۔

فضائل نماز و فائدہ سوم: یہ جو فرمایا کہ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا یعنی نماز پر صبر کرو اور قائم رہو اس میں اشارہ ہے کہ نماز میں نفس کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے جو نفس پر شاق ہے، کیونکہ نمازیں لوگوں کے لذات و اشغال کے وقت میں آتی ہیں اور تقاضہ کرتی ہیں کہ سب کو چھوڑ کر اللہ کے روبرو کھڑا ہو اور غیر اللہ سے بالکل فارغ ہو جاؤ۔ دیکھو صبح کی نماز کیسے نیند کے مزیدار وقت میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ اپنے حظوظ میرے حقوق کیلئے اور اپنی مراد میری مراد کیلئے چھوڑ دے۔ اسی لئے صبح کی اذان میں خاص کر کے دوبارہ یہ پڑھا گیا: اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ رہی ظہر کی نماز وہ بھی قیلولے کے اور محنت و مشقت سے رجوع کرنے کے وقت آتی ہے۔ رہی عصر کی نماز وہ بھی ایسے وقت آتی ہے کہ لوگ اپنی تجارتوں اور پیشوں میں غرقاب ہوتے ہیں اور اسباب دنیوی پر متوجہ ہوتے ہیں۔ رہی مغرب کی نماز وہ بھی کھانا

یعنی اللہ اور رسول کا راضی رکھنا زیادہ لائق ہے۔

اور فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

یعنی جو لوگ جمع کر کے رکھتے ہیں سونا چاندی اور صرف نہیں کرتے اس کو خدا کی راہ میں۔

اور فرمایا:

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ۨانْفَضُّوْا اِلَيْهَا

یعنی جب دیکھتے ہیں وہ لوگ تجارت یا کھیل کو چلے جاتے ہیں اس کی طرف۔

پس اچھی طرح سمجھ لو مقصود ان سب مثالوں سے یہ ہے کہ جیسے ان آیتوں میں دو دو چیزوں کا ذکر فرما کر ضمیر مفرد کی لائے اور مقصود دونوں چیزیں ہیں مگر تلازم کی وجہ سے ضمیر واحد پر اکتفا کیا مثلاً یُرْضُوْہُ کی ضمیر میں اللہ اور رسول دونوں مقصود ہیں لَا یُنْفِقُوْنَهَا کی ضمیر میں ذہب و فضہ دونوں مقصود ہیں اِنْفَضُّوْا اِلَیْهَا کی ضمیر میں لہو و تجارت دونوں مقصود ہیں اسی طرح آیت بالا کے مجمع میں بھی اِنَّهَا لَکَبِیْرَةٌ ضمیر مفرد کی لائے جو بوجہ قربت کے صلوٰۃ کی طرف راجع ہے مگر مقصود صبر و صلوٰۃ دونوں ہیں باہم ان دونوں کا تلازم موجب اکتفائے ضمیر واحد ہو گیا فافہم اور نماز کی بڑی شان ہے اور اللہ کے نزدیک اس کی بڑی قدر ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ

یعنی بے شک نماز باز رکھتی ہے بے حیائی اور بری بات سے۔

رسول اللہ ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ سب اعمال میں افضل عمل کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز پڑھنا اپنے وقت پر۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بندے کو سب سے زیادہ قرب خداوندی سجدے میں میسر ہوتا ہے۔

نماز مجموعہ عبادات

ہم نے غور کر کے دیکھا تو نماز میں اتنی عبادتیں جمع ہیں کہ دوسرے عمل میں نہیں۔ مثلاً پاک ہونا، خاموش رہنا، کلام دنیا سے قبلے کی طرف رخ کرنا، تکبیر کے ساتھ شروع کرنا، قرآن کا پڑھنا، کھڑا ہونا، جھکنا، سجدہ کرنا، رکوع و سجود میں اللہ کی پاکی بیان کرنا، سجدے میں دعا کرنا اور بہت سی عبادتیں ہیں۔ پس نماز متعدد عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ کیونکہ صرف ذکر کرنا ایک مستقل عبادت ہے۔ صرف قرآن پڑھنا ایک عبادت ہے۔ اسی طرح تسبیح و دعا و رکوع و سجود و قیام ان میں ہر عمل جدا گانہ عبادت ہے اور اگر اندیشہ تطویل کا نہ ہوتا تو نماز کے اسرار و انوار میں ہم تفصیلی گفتگو کرتے۔ اس مقام پر اتنی ہی جھلک کافی ہے۔ الحمدللہ۔

چوتھا فائدہ: فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

لا نسئلک رزقا نحن نرزقک

یعنی ہم تجھ سے یہ نہیں سوال کرتے کہ تم اپنے کو یا اپنے گھر والوں کو رزق دو، بلکہ رزق ہم تم کو دیں گے اور ہم تم کو یہ تکلیف کیسے کریں اور یہ تکلیف کس طرح دیں کہ تم اپنے کو رزق دو۔

حالانکہ تم کو اس کی قدرت نہیں اور ہماری شان کے کب لائق ہے کہ تم کو خدمت کرنے کو کہیں اور تمہاری روزی کا سرانجام نہ کریں، گویا جب تم سے تعالیٰ نے جانا کہ لوگوں کو رزق طلب کرنا دوام اطاعت میں خلل انداز ہوگا اور یہ فکر فراغ اطاعت سے مانع ہوگی۔ اس لئے اپنے رسول ﷺ کو خطاب فرمایا، تا کہ اور لوگ سنیں۔ پس فرمایا۔

وامر اھلک بالصلوۃ واصطبر علیھا لا نسئلک رزقا نحن نرزقک

یعنی تم ہماری خدمت بجا لاؤ تا کہ ہم اپنی روزی کا تمہارے لئے سرانجام کر دیں۔

بندے اور خدا میں تقسیم کار

یہ دو چیزیں ہیں ایک چیز کا تو اللہ کفیل ہو گیا، اس سے بدگمانی مت کر یعنی رزق، دوسری چیز تجھ سے طلب کی ہے اس کو مت چھوڑ۔ یعنی عبادت، پس جو شخص اللہ کے ذمے کی ہوئی چیز کی تحصیل میں لگ کر اس کی طلب کی ہوئی چیز کو چھوڑ بیٹھا یعنی رزق کے پیچھے عبادت چھوڑ دی اس کی بڑی جہالت اور غفلت ہے اور جگانے سے بھی نہیں جاگتا بلکہ بندے کو سزاوار ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے طلب کیا اس میں لگ جائے اور جس کی اس نے خود ذمہ داری کر لی ہے اس سے بے فکر رہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ جب منکرین کو رزق دیتا ہے تو مومنین کو کیسے نہ دے گا، اور اہل کفر پر جب رزق جاری کر رکھا ہے تو اہل ایمان پر کیسے جاری نہ فرمائے گا۔ پس اے بندے تجھ کو معلوم ہو گیا کہ دنیا کا تو ذمہ ہو گیا اس قدر کہ تیری کجی کو سیدھا کر دے، یعنی بقدر کفایت اور آخرت کی تجھ سے طلب ہے یعنی آخرت کیلئے سفر کرنا، فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ

یعنی توشہ لے لو بے شک اچھا توشہ تقویٰ ہے۔

پس تیری عقل بصیرت کس طرح ثابت ہو، حالانکہ تجھ کو مضمون کے اہتمام نے مطلوب کے اہتمام سے غافل کر رکھا ہے یہاں تک کہ کسی بزرگ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دنیا کی کفالت کی اور آخرت کو طلب فرمایا کاش آخرت کی کفالت فرما لیتے اور دنیا طلب کرتے اور نَحْنُ نَرْزُقُكَ صیغہ مضارع سے اس لئے لائے تاکہ استمرار و دوام پر دلالت کرے کیونکہ اَنَا نُكْرِمُكَ صیغہ مضارع کے ساتھ اور اَكْرَمْتُكَ ماضی کے ساتھ برابر نہیں کیونکہ اَنَا نُكْرِمُكَ کے معنی تو یہ ہیں کہ بار بار اکرام ہوتا ہے اور قَدْ اَكْرَمْتُكَ جس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ ماضی میں اکرام ہو چکا تکرار و دوام پر دلالت نہیں پس نَحْنُ نَرْزُقُكَ کے یہ معنی ہوئے کہ ہم بار بار ہمیشہ رزق دیتے رہتے ہیں، اپنی منت سے تم کو معطل نہیں کرتے، اپنی نعمت تم سے منقطع نہیں کرتے اور جیسا ہم نے بندوں پر

ایجاد سے احسان کیا اسی طرح دوام امداد کا سرانجام کیا۔ اس کے بعد فرمایا:

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى.

یعنی انجام کی بھلائی تقوے کیلئے ہے۔

گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم کو معلوم ہے کہ جب تم اسباب دنیا سے منہ موڑ کر اور اس کے اشتغال کو چھوڑ کر ہماری خدمت میں لگے رہو گے اور ہمارے اطاعت کی طرف متوجہ رہو گے تو تمہارا رزق امیروں کا سا اور تمہارا عیش فراغت والوں کا سا نہ ہوگا۔ لیکن اس حالت پر صبر کرنا کیونکہ عافیت کی خوبی اہل تقویٰ ہی کیلئے ہے۔ جیسا اس آیت سے اولیٰ فرمایا:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى ۞

یعنی اپنی آنکھیں مت بڑھاؤ اس چیز کی طرف کہ فائدہ دیا ہم نے اس سے کفار کی جماعتوں کو رونق ہے زندگی دنیا کی تاکہ ہم اس میں ان کو فتنے میں ڈالیں اور روزی تیرے پروردگار کی اچھی ہے اور زیادہ باقی رہنے والی۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ تقویٰ کے ساتھ عاقبت ہی کو کیوں مخصوص فرمایا کیونکہ اہل تقویٰ کو تو حسن عاقبت کے ساتھ دنیا میں بھی مزے کا عیش ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۞

یعنی جو شخص نیک کام کرے خواہ مرد ہو یا عورت مگر مومن ہو زندگی دیں گے ہم اس کو اچھی زندگی۔

جواب سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے ان کی عقل کے موافق خطاب فرماتا ہے۔ گویا یہ معنی ہوئے کہ اے بندو! اگر تم کو یہ خیال ہے کہ اہل غفلت و عدوان کیلئے دنیا ہے تو اہل تقویٰ کیلئے عقبیٰ ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى پھر لوگوں سے ان کی عقل و فہم کے موافق خطاب فرمایا جیسا آیا ہے اللہ اکبر اگرچہ کوئی اس کے سوا بڑائی

نہیں رکھتے۔ جو اس کے کہنے کی ضرورت ہو کہ اللہ اکبر یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔
لیکن چونکہ نفوس آثار قدرت کی بڑائی مشاہدہ کر رہی ہیں۔ جیسے خود فرمایا:

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝

یعنی البتہ پیدائش آسمانوں اور زمین کی بہت بڑی ہے۔ پیدائش سے آدمیوں کی لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

پس گویا یوں کہا گیا کہ اگر تم کو کسی شے میں خواہ مخواہ بڑائی نظر ہی آتی ہے تو اللہ اس سے بھی بڑا ہے اور ہر بڑے سے بڑا ہے جیسے آیا ہے۔

اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

یعنی نماز زیادہ بہتر ہے سونے سے۔

بجائے اس کے اگر یوں کہا جاتا کہ سونے میں بالکل بہتری نہیں تو نفوس یوں کہتے کہ ہم تو اس کی لذت اور راحت دیکھ چکے ہیں اس لئے ان کے علم کو تسلیم کر کے کہا گیا کہ جس کی طرف ہم تم کو بلاتے ہیں یہ اس سے زیادہ بہتر ہے جس سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں یعنی نماز سونے سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ جس سونے کی طرف تم مائل اور راغب ہو وہ بے بقا ہے اور جس کی طرف بلا رہے ہیں وہ ایسا معاملہ ہے جس کی جزا ہمیشہ باقی رہے گی کبھی فنا نہ ہوگی اور اللہ کے پاس کی چیزیں نہ وہ بہتر ہیں اور زیادہ باقی رہنے والی ہیں۔

فائدہ جلیلہ: جاننا چاہیے کہ جن کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے ان کو اس آیت نے یہ بتلا دیا کہ اللہ کے رزق کو کیونکر ڈھونڈیں؟ سو جب ان پر اسباب معیشت تنگ ہوں گے وہ زیادہ خدمت واطاعت کریں گے۔

تنگی معاش کا علاج

وجہ یہ ہے کہ اس آیت نے یہ بات ان کو جتلائی ہے کہ تم خیال نہیں کرتے

اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے: وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ پس وعدہ رزق کا دو امر کے بعد فرمایا ایک گھر والوں کو نماز پڑھوانا دوسرے خود اس کی پابندی کرنا۔ ان دونوں امر کے بعد فرمایا: نَحْنُ نَرْزُقُكَ پس اہل معرفت سمجھ گئے جب روزی کی راہیں بند ہوں اور دروازہ رزق کو اس طرح کھولنا شروع کریں کہ رزاق سے معاملہ اچھا رکھیں یہ نہیں کہ جیسے اندھے نفسوں کی عادت ہے کہ جب اسباب دنیا تنگ ہوئے انہوں نے اور زیادہ مشقت شروع کی اور غفلت والے دل اور بھولی بھولی عقل سے اور بھی دنیا میں پڑ گئے اور اہل معرفت ایسا معاملہ کیوں نہ کرتے جب اللہ کا حکم سن چکے کہ فرماتا ہے:

وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا

یعنی گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو

ان کو یقین ہوا کہ رزق کا دروازہ رزق دینے والے کی اطاعت ہے۔ پھر نافرمانی سے رزق کیسے طلب کیا جائے اور اس کی مخالفت سے کیونکر بدلائی فضل کی درخواست کی جائے، حالانکہ پیغمبر خدا ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ کی نعمتیں اس کو ناراض کر کے نہیں ملتیں۔ یعنی بغیر اطاعت روزی نہیں مانگی جاتی اور اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو ایک جگہ اور واضح فرما دیا۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

یعنی جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ اللہ اس کیلئے کوئی راہ نکال دیتا ہے اور ایسی جگہ سے اس کو روزی دیتا ہے کہ اس کو گمان بھی نہ تھا۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

لَوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا

یعنی اگر وہ لوگ سیدھی راہ پر مستقیم رہتے تو ہم ان کو فراغت کا پانی دیتے۔

بہت سی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ دونوں رزق کی کنجی ہے۔ دنیا کے رزق کی بھی اور آخرت کے رزق کی بھی۔ جیسے فرمایا:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۝

یعنی اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کی برائیاں دور کرتے اور ان کو نعمت کی جنتوں میں داخل کرتے اور اگر وہ لوگ قائم رکھتے توراۃ کو اور انجیل کو اور اس کتاب کو جو اب اتاری گئی ہے ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے یعنی قرآن تو البتہ کھاتے وہ اپنے اوپر سے اور نیچے سے۔

یعنی اوپر سے تو بارش ہوتی اور نیچے سے پیداوار ہوتی حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کو ظاہر کر دیا کہ اگر وہ لوگ توریت وانجیل کو قائم رکھتے یعنی ان کے احکام پر عمل کرتے تو اوپر نیچے سے ان کو کھانے کو ملتا۔ یعنی ہم ان پر روزی کو فراخ کرتے اور ہمیشہ ان پر فرحت کرتے رہتے۔ مگر انہوں نے تو جو ہم چاہتے تھے وہ نہیں کیا اس لئے ہم نے بھی جو وہ چاہتے تھے نہیں کیا۔ یعنی انہوں نے اطاعت نہ کی اور ہم نے وسعت نہ کی۔

چوتھی آیت: مقدمہ رزق میں یہ ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

یعنی نہیں کوئی جاندار زمین پر چلنے والا مگر اللہ کے ذمہ ہے اس کی روزی اور جانتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قرار کی جگہ اور سپردگی کی جگہ سب موجود ہے کھلی کتاب میں۔

اس آیت نے حق تعالیٰ کا کفیل رزق ہونا صاف بتا دیا اور تمام ہی وسوسوں اور خطروں کو اہل ایمان کے قلوب سے مٹا دیا اگر کبھی خطرات آنا چاہتے ہیں تو لشکر ایمان اور توکل کے ان پر حملہ کر کے بھگا دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

یعنی زمین کو مخلوق کیلئے پیدا کیا۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ

یعنی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں سب کو اپنی طرف سے۔

میں نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ تمام کائنات تیرے غلام ہیں کہ ان کو تیرے کام میں لگا رکھا ہے اور تو غلام درگاہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَّأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا

یعنی اللہ ایسا ہے کہ جس نے پیدا کئے سات آسمان اور زمین سے بھی انہی کی مانند اترتا ہے حکم ان سب میں تاکہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ نے گھیر لیا ہے ہر چیز کو علم سے۔

سو اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کر دیا کہ تمام آسمان و زمین اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ تجھ کو علم حاصل ہو جب تجھ کو معلوم ہو گیا کہ تمام کائنات تیرے ہی لئے پیدا ہوئے ہیں خواہ برتنے کو یا نظر و فکر کرنے کو کہ یہ بھی ایک نفع ہے تو اب یہ جاننا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو تیری خاطر پیدا کیا جب ان کو رزق دیتا ہے تو تجھ کو کیسے نہ دے گا۔ تم نے یہ آیت نہیں سنی۔

وَفَاكِهَةً وَّأَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ

یعنی تمہارے لئے پیدا کیا میوہ اور گھاس تمہارے فائدہ اور تمہارے چار پایوں کے فائدے کو۔

اور جملہ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا قبل ہونے کی تاکید ہے یعنی کسی جانور کا مقام اور حال اس پر مخفی نہیں بلکہ سب جانتا ہے اور ہر ایک کے پاس اس کا

یعنی بیان کی انسان نے ہمارے لئے کہاوت اور بھول گیا اپنی پیدائش کو کہتا ہے کون جلائے گا ہڈیوں کو جب وہ گل گئی ہوں۔ آپ ﷺ جواب دیں کہ ان کو وہی جلائے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا۔

اور دوسری آیت میں فرمایا:

وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ یعنی دوبارہ پیدا کرنا تو اللہ پر بہت آسان ہے۔

اور فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى

یعنی جس نے زمین کو زندہ کیا وہی مردوں کو زندہ کرے گا۔

ایسے ہی جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوا کہ معاملہ رزق میں نفس کا اضطراب بہت بڑھا ہوا ہے اس لئے اس کی دلیل کئی آیتوں میں ذکر فرمائی بعض آیتیں تو گزر چکیں اور بعض ہم نے ذکر کی ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات لوگوں کے نفسوں کی معلوم تھی کبھی یوں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ کبھی یوں فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ کبھی یوں فرمایا: نَحْنُ نَرْزُقُكَ کبھی یوں فرمایا

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ

یعنی بھلا جو تم کو روزی دیتا ہے اگر اپنی روزی بند کر لے تو تم کیا کرو۔

اور اس مقام پر فرمایا: وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ تاکہ رزق کا مقام معلوم ہو جائے، پھر قلوب کو تسکین ہو جائے۔ اور مقام بتلا دینے کے ساتھ جو قسم کھائی ہے وہ اس وجہ سے کہ جو مقام بیان کرنے کے ساتھ تاکید ہو جائیں اور شاید ہے کہ ہم پر واجب تو نہیں کہ تم سے رزق کا مقام بیان کر دیں بلکہ تمہارا رزق ہمارے پاس ہے جب اس کا وقت آئے گا تمہارے پاس پہنچا دیں گے اور تمہارے لئے اس کا بیان کرنا ضروری نہیں مگر پھر بھی اپنے لطف اور رحمت و فضل و احسان سے مقام رزق کا بیان فرما دیا تاکہ تجربہ سے زیادہ ہو اور شک بالکل دفع ہو جائے۔ اور اس میں ایک اور بھی فائدہ ہے وہ یہ کہ مقام جو بیان کر دیا گیا ہے تو بندے کی توجہ مخلوق سے بالکل اٹھ گئی اور سمجھ گیا کہ بادشاہ حقیقی ہی کے ہاں سے طلب کرنا چاہئے کیونکہ جب تم سے

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔

یعنی اللہ ہی کی ہے عزت اور رسول کی اور مومنین کی۔

پس اللہ تعالیٰ نے جو عزت مومنین کو دی ہے اس نے اس نے اپنا قصد مولیٰ کی طرف متوجہ کر دیا اور اللہ پر یقین کیا نہ اور کسی پر اور اللہ سے شرم کر کہ اس نے تجھ کو خلعت ایمان پہنایا اور زینت معرفت سے آراستہ کیا اس کے بعد بھی تجھ پر غفلت و نسیان غالب ہے کہ مخلوق کی طرف راغب ہے اور غیر اللہ سے جود و احسان کا طالب ہے۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے

تجھے اس نے تعلیم تحقیق دیا | کرم تجھ پہ خالق نے یہ کیا کیا
کیا مطلع تجھ کو ملکوت پر | ثنا اس پہ بھی اوروں سے مانگوں گا کیا

اگر تجھ کو نفس غافل کہے کہ اپنی حاجت مخلوق کی طرف لے جا۔ سو تو اس کی طرف لے جا جس کی طرف مخلوق بھی اپنی حاجت لے جاتی ہے۔ اور نفس کو یہ بات بڑی سہل ہے کہ تو اس کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے اپنے ایمان کی بے قدری کرے اور اس کی آرزو حاصل کرنے کیلئے اپنے کو خوار کرے جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

نفس نے بس اپنی عزت کے لئے | میری ذلت کو گوارا کر لیا
کہتا ہے مجھ کو ابن ادہم سے تو مانگ | میں کہا کہ رب ہی سے دعا

اور مومن کیلئے یہ امر نہایت زشت (برا) اور نامناسب ہے کہ باوجود یقین وحدانیت اور یکتائی ربوبیت اللہ تعالیٰ کے پھر اوروں کے روبرو اپنی حاجت پیش کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔

یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں۔

اور یہ امر یوں تو ہر شخص سے زشت ہے مگر مومن سے بہت زشت تر ہے۔ اور اس پر ارشاد خداوندی دلالت کرتا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ

یعنی اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو۔

اور جو عہد تو نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی حوائج اور کسی سے پیش نہ کرے گا اور اسی پر توکل کرے گا اور یہ عہد اس اقرار ربوبیت سے لازم آتا ہے جو روز میثاق میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں ہوا تھا۔ یہ کیسی بات ہے کہ یہاں تو اس کی معرفت اور توحید حاصل تھی۔ یہاں آکر بھلا دیا حالانکہ اس کے احسانات تجھ پر پیاپے ہوتے ہیں اور اس کے فضل و رحمت نے تجھ کو گھیر رکھا ہے۔ جیسے کسی نے کہا ہے۔

دل میں میرے تصور تمہارا ہو گیا ۔۔۔ اب نہ لیلیٰ اور نہ شیریں کی ہے چاہ
آپ کو جانا تھا تب میثاق میں ۔۔۔ کیا بڑھاپے میں تمہیں دوں گا بھلا

اور خلق سے ہمت کو بلند رکھنا یہی فقر کی میزان اور مردوں کی پہچان ہے اور جیسے اجسام کا وزن کیا جاتا ہے ایسے ہی احوال و صفات کا وزن کیا جاتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ۔

یعنی وزن کو عدل کے ساتھ قائم رکھو۔

تاکہ سچا اپنی راستی سے اور جھوٹا اپنی آمیزش سے ظاہر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس حالت پر نہ چھوڑے گا جس میں اب ہو یہاں تک کہ گندے کو پاک سے الگ کر دے۔

مکار دین داروں کا حال

اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمت و رحمت سے بعض فقیروں کو اس طرح جانچا کہ جو کچھ ان کے اندر حب دنیا و شہوت پوشیدہ تھی اس کو ظاہر کر دیا۔ پھر انہوں نے اپنے کو دنیاداروں کے روبرو بے قدر کر دیا، ان سے بے تکلفی کرتے ہیں، ان سے نرمی کرتے ہیں، ان کی خواہشوں پر ان کی موافقت کرتے ہیں۔ ان کے دروازوں پر دھکے کھاتے ہوئے جاتے ہیں۔ بعضوں کو تو دیکھو گے کہ دلہن کی طرح بناؤ سنگار

کرتے ہیں، ظاہر کی اصلاح میں پھنس رہے ہیں، باطن کی اصلاح سے غافل ہیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں پر ایک دھبہ لگا دیا جس سے ان کا عیب ظاہر ہو گیا اور سب اترا پترا کھل گیا (چھپے ہوئے اور جھوٹی نیکی کے پردے میں ڈھکے ہوئے)۔ سو اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ سچا کرتے، تو ان کی نسبت کہا جاتا ہے عبد الکبیر یعنی خدا کا بندہ اور اللہ والا۔ اب نا روحق کے وبال میں اس نسبت سے نکل کر یوں کہا جاتا ہے شیخ الامیر یعنی فلاں امیر کا شیخ اور استاد۔

ف:۔ وہ دھبہ یہی ہے کہ پہلے خدا کی طرف نسبت ہوتی اب امیر کی طرف ہونے لگی۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

یہ لوگ اللہ پر جھوٹ بولنے والے ہیں لوگوں کو دنیا واللہ کی صحبت سے روکنے والے ہیں کیونکہ عوام لوگ جو ان کی حالت دیکھتے ہیں، وہ سب اللہ والوں کو اسی پر قیاس کر لیتے ہیں خواہ سچا ہو یا جھوٹا سو یہ مدعی لوگ اہل تحقیق کی آڑ ہیں اور آفتاب توفیق کے بادل ہیں۔

ف: یعنی جیسا آڑ اور بادل میں اشیاء و انوار چھپ جاتے ہیں اسی طرح اچھے لوگ ان جھوٹوں میں چھپ جاتے ہیں،

یہ لوگ ان کے قدرے بجا رہے ہیں اور ان کے نشان کھوٹے کھڑے ہیں اور ان کی زرہیں پہن رکھی ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کی سی وضع بنائے ہوئے ہیں۔ جب حملہ ہوگا الٹے پاؤں بھاگیں گے، یعنی امتحان کے وقت جھوٹے نکلیں گے، زبانیں دعویٰ میں چلتی ہیں دل تقویٰ سے بالکل خالی ہیں۔ کیا انہوں نے اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا:

لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ

یعنی اللہ تعالیٰ صادقین سے ان کے صدق کی تحقیق کرے گا۔

کیا تو سمجھ سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ صادقین سے پوچھے گا ان مدعیوں کو بے پوچھے چھوڑ دے گا۔ کیا انہوں نے یہ ارشاد نہیں سنا۔

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

یعنی اے محمد ﷺ ان منافقوں سے کہہ دو کہ تم اپنے کام کئے جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل دیکھ رہا ہے اور پیغمبر اور اہل ایمان بھی دیکھ رہے ہیں اور قریب ہے کہ لوٹا ئے جاؤ گے طرف جاننے والے چھپے اور کھلے کے پھر تم کو خبر دے گا۔ اس چیز کی جو تم کرتے تھے۔

پس یہ لوگ وضع تو سچے لوگوں کی ظاہر کرتے ہیں اور عمل اعراض والوں کا سا ہے۔ جیسے کہا گیا ہے۔

قصے تو ایسے ہیں جیسے ان کے تھے	عورتیں ان عورتوں کے ہیں سوا
میں قسم کھاتا ہوں ذات پاک کی	نوش کرتے ہیں حج جس کے بیت کا
آ گیا جب کوئی خیمہ بھی نظر	سامنے ہو کر کھڑا روتا رہا

پس تجھ کو معلوم ہوگا کہ اپنی ہمت مخلوق سے بلند رکھنا یہ اہل طریقت کی زینت اور اہل حقیقت کی علامت ہے اور اس مضمون میں ہمارے اشعار ہیں۔

وہ گلی کرنے جو شکوہ دہر کا	پھیر کر رخ اس سے میں نے یوں کہا
شکوہ کیوں کرتی ہے ایسے دہر کا	جس سے مطلق ہو نہ امید وفا
مجھ کو کمائی سے کیا نقصان ہے	بدر کو کیا ہو چھپا ہو یا کھلا
کیوں نہ لوگوں سے بچاؤں آبرو	کیوں نہ دیکھیں ٹھاٹھ شاہانہ مرا
کیوں کروں ظاہر میں ان سے اپنا فقر	سب کے سب عاجز ہیں جب پیش تھا
مانگوں کیوں مخلوق سے خالق کا رزق	گر کروں ایسا تو ہے پوری جفا
ہے بڑی کم ہمتی عاجز سے گر	دوسرا عاجز کرے شکوہ گلا
مانگ رزق اللہ سے جس کا کرم	ہے تمامی خلق کو شامل ہوا
التجا کر اس سے پائے گا مراد	اس کے دروازے سے مت ہو تو جدا

<u>دوسرا فائدہ:</u> یہ جو فرمایا: وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک معنی تو یہ ہو سکتے ہیں کہ رزق سے مراد اثبات رزق ہو یعنی لوح محفوظ میں تمہارا

رزق ثبت کر دیا ہے۔ اگر یہ مراد ہے تو اس میں لوگوں کو مطمئن کر دینا ہے اور ان کو جتلا دینا ہے کہ تمہارا رزق یعنی جس چیز سے تم کو رزق دیا جائے گا ہم اپنے پاس لکھ چکے ہیں اور اپنی کتاب میں ثبت کر چکے ہیں اور اپنی آیات میں اس کو تمہارے ہونے سے پہلے مقدر کر چکے ہیں اور تمہارے ظہور سے پہلے معین کر چکے ہیں پھر تم کس لئے مضطرب ہوتے ہو اور تم کو کیا ہوا کہ میری طرف قرار نہیں پکڑتے اور میرے وعدہ پر یقین نہیں کرتے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ رزق سے مراد سبب رزق ہو یعنی پانی۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ٥

یعنی ہم نے سب زندہ چیزیں پانی سے بنائی ہیں کیا ان کو یقین نہیں۔

ابن عباس نے وہی طرح تفسیر کی ہے کہ رزق سے مراد بارش ہے۔ اس صورت میں رِزْقُكُمْ کے یہ معنی ہوں گے کہ جو چیز تمہارے رزق کی اصل ہے، دوسرے یہ کہ خود پانی بھی رزق ہے۔

تیسرا فائدہ: یہ بھی ممکن ہے کہ اس آیت سے مقصود حق سبحانہ وتعالیٰ کا لوگوں کو عاجز کرنا ہو اس دعویٰ سے کہ ہم کو اس بات پر قدرت ہے۔ وجہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ بارش کو زمین پر نازل ہونے سے روک لے تو تمام سبب والوں کے سبب بیکار ہو جائیں خواہ کھیتی والا ہو یا تاجر ہو یا درزی یا منشی یا اور کوئی پیشے کا ہو۔

ف: کیونکہ سب صنعتوں میں بواسطہ یا بلا واسطہ پانی کی حاجت ہے۔ پس گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے اسباب تم کو رزق نہیں دیتے، بلکہ میں رزق دینے والا ہوں اور اسباب میسر کرنا میرے قبضہ میں ہے۔ کیونکہ جس چیز کی بدولت تمہارے اسباب درست ہوتے ہیں اور صنعتیں کامل ہوتی ہیں اس چیز کو میں نازل کرتا ہوں یعنی پانی۔

چوتھا فائدہ: رزق کو ما توعدون کے ساتھ لانے میں بڑا فائدہ ہے، وجہ یہ کہ چونکہ مومنین کو یقین ہے کہ اللہ نے جو کچھ وعدہ کیا ہے وہ ضرور ہوتا ہے اور یہ لوگ

اس کے جلدی پانے میں ہم نے پر قدرت نہیں رکھتے نہ اس کی تحصیل کی کوئی تدبیر ان
کے پاس ہے۔ گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ جیسے تم کو اس امر میں شک نہیں کہ ہمارا
وعدہ کوئی ایسی چیز تمہارے پاس سے اسی طرح اس میں بھی تم شک نہ ہونا چاہیے کہ
تمہارا رزق بھی ہمارے پاس ہے اور جس طرح تم ہمارے وعدے کے جلدی حاصل
کرنے سے قبل وقت عاجز ہو اسی طرح تم اس سے بھی عاجز ہو کہ جس رزق کو ہماری
ربوبیت بالوہیت نے ایک خاص وقت پر مقرر کیا ہے تم اس کو جلدی حاصل کر سکو۔

پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے جو قسم کھائی ہے: فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
إِنَّهُ لَحَقٌّ مِثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ۔ اس میں لوگوں پر بڑی بھاری حجت ہے
کہ ایسا سچا وعدہ دینے والا جو ایسا وعدہ جس میں بھی خلاف نہیں کرتا وہ لوگوں کے واسطے اس
چیز پر قسم کھاتا ہے جس کا ان کیلئے ذمہ لیا ہے۔ چونکہ اس کو علم ہے کہ نفس میں کیسی
شک واضطراب ہے۔ اس لئے فرشتوں نے جب یہ آیت سنی تو کہنے لگے۔ بنی آدم
برباد ہو جائیں جنہوں نے اپنے رب جلیل کو غضب ناک کر دیا۔ یہاں تک کہ قسم
کھانی پڑی۔ کسی نے یہ آیت سن کر کہا: سبحان اللہ کس شخص نے رب کریم کو قسم کی
ضرورت دلائی اور جس شخص کی نسبت تم کو یقین ہوتا ہے کہ یہ میرے وعدے کو
یقین کرے گا اس کے سامنے تم کو قسم کھانے کی ضرورت نہیں اور جب یہ معلوم ہو
کہ فلاں شخص کو میرے وعدے میں بے اطمینانی ہے اس کے سامنے قسم کھاؤ گے۔

پس اس آیت نے بعضوں کو خوش کیا اور بعضوں کو شرمندہ کیا۔ رہے وہ لوگ
جن کو خوش کیا وہ تو وہ لوگ ہیں جو پہلے مقام میں ہیں کیونکہ اس قسم نے ان کا ایمان
اور بڑھا دیا اور یقین پیدا ہو گیا وسوسہ شیطانی اور شکوک نفسانی جن جن سے اس
سے جدا رہیں۔ رہے وہ لوگ جن کو اس آیت نے شرمندہ کیا ان کو خیال ہوا کہ حق سبحانہ
وتعالیٰ نے ہماری بے اطمینانی اور اضطراب دیکھ کر ہم کو قائم رہتی ہر شک سے نجات کر قسم
کھائی۔ اس خیال نے ان کو بشدت شرمندہ کر دیا۔ یہ حالت مقتضائی غم ہے اور
اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو شے بعضوں کیلئے باعث مسرت ہوتی ہے بعضوں کیلئے

باعث حزن و خجالت۔ یعنی کسی کی فہم ہوا اور جیسے وارد ہوئے الہامی ہیں اور دیکھو جب یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۝

یعنی آج کامل کر دیا میں نے تمہارے لئے دین تمہارا اور پوری کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت اور پسند کیا میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین۔

تو تمام صحابہؓ خوش ہوئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ مغموم ہوئے کیونکہ وہ اس آیت سے خبر وفات پیغمبر خدا ﷺ سمجھے اور رونے لگے اور اسی مقام سے ماخوذ ہے کہ کوئی چیز جب کامل ہو جاتی ہے اس پر اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ نقصان کی طرف رجوع کرے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

جب کمال آیا ہوا نقصان قریب	بس ہو زائل جو نہی کامل ہوا
کر تو ہوا نوم میں رکھ اس کا پن	معصیت کی تو نے اور زائل ہوا

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جانا کہ جب تک پیغمبر خدا ﷺ زندہ ہیں اس وقت تک کسی قسم کا نقصان ہو نہیں سکتا۔ یعنی خبر کمال سے محدیثہ نقصان ہوا اور نقصان حیات میں ہو نہیں سکتا، اس سے خبر وفات سمجھے اور دوسرے صحابہ ظاہر بشارت پر خوش ہوئے۔ اور جہاں تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہنچے تھے وہاں تک نہ پہنچے۔ اس سے ظاہر ہو گیا بھید اس حدیث کا کہ ابوبکرؓ سے روزہ و نماز میں نہیں بڑھے بلکہ ان کے دل میں ایک چیز بیٹھ گئی ہے پس جس چیز سے ان کو اوروں پر سبقت تھی وہی اس کی موجب ہوئی کہ ایسی بات سمجھے کہ جو کسی کی سمجھ میں نہ آئی اور اسی سے ہے یہ آیت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۝

یعنی اللہ نے مول لے لیا مومنین سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات پر

یعنی کہ ان کیلئے جنت ہے لڑتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں، پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔

میں نے شیخ ابو محمد مرجانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ ایک قوم نے جو اس آیت کو سنا تو اس معاملہ سے بہت خوش ہوئے اور خوشی سے ان کے چہرے گورے ہو گئے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اس لائق کیا کہ ان سے خریداری فرمائی اور ان کا بڑا مرتبہ بڑھایا کہ ان کو خریداری کیلئے پسند کیا اور نیز بھاری قیمت اور بڑی اجرت سے خوش ہوئے۔ اور ایک قوم نے جو سنا تو ان کے چہرے شرمندگی سے زرد ہو گئے کہ ان سے ایسی چیز خریدی کہ جس کا خود ہی مالک ہے، سو اگر حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو ان کی ملکیت کا پوشیدہ دعویٰ معلوم نہ ہوتا تو یوں نہ فرماتے کہ اللہ نے مول لے لیا۔ پس جن لوگوں کے چہرے خوشی سے سفید ہو گئے ان کو دو باغ ملیں گے، جس میں چاندی کے برتن ہوں گے اور سب چیزیں بھی چاندی کی ہوں گی اور جن کے چہرے شرمندگی سے زرد ہو گئے ان کو دو باغ ملیں گے جن میں سونے کے برتن ہوں گے اور سب چیزیں بھی سونے کی ہوں گی ختم ہوا کلام شیخ کا۔ وجہ مناسبت ظاہر ہے کیونکہ چاندی سفید ہوتی ہے اور سونا زرد۔ سو اگر اہل ایمان میں کچھ بقیہ منازعت کا نہ ہوتا تو ان پر یہ خرید و فروخت واقع نہ ہوتی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی کے بعد مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فرمایا اور مِنَ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ نہیں فرمایا۔ اسی لئے شیخ ابوالحسن نے فرمایا کہ نفس تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جس کی خریداری نہیں کی جاتی، بوجہ بے قدر ہونے کے۔ دوسرا وہ جس کی خریداری ہوتی ہے، بوجہ ذی قدر ہونے کے۔ تیسرا وہ جس پر خریداری واقع نہیں ہوتی، بوجہ آزاد ہونے کے۔ قسم اول کافروں کا نفس ہے کہ بوجہ بے قدر ہونے کے خریدا نہیں جاتا۔ قسم دوم اہل ایمان کا نفس ہے کہ بوجہ ذی قدر ہونے کے اس کی خریداری ہوئی۔ قسم سوم انبیاء و مرسلین کا نفس ہے کہ بوجہ آزاد ہونے کے ان پر خریداری نہیں واقع ہوئی۔

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی ربوبیت کی قسم کھائی جو کہ

آسمان وزمین کی کفیل ہے اور کسی اسم کی قسم نہیں کھائی وجہ یہ کہ ایسی ربوبیت جو آسمان وزمین کی کفالت کئے ہوئے ہے اس پر یقین کرنے میں کسی ایمان دار کو شک نہیں ہوسکتا تو اس کی شان ہی ہے کہ اتنے بڑے عالم کی کفالت کرتی ہے اور جب مجھ کو اس عالم سے نسبت کرکے دیکھیں تو بالکل ایک ناچیز اور بے بود معلوم ہوتا ہے۔ سو رب کہنا افادۂ یقین میں زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت دوسرے اسماء سمیع وعلیم ورحمٰن کے، خوب سمجھ لو۔

ساتواں فائدہ: فرمایا اللہ تعالیٰ نے: فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ اور حق ضد باطل کی ہے اور باطل کہتے ہیں اس معدوم کو جس کا بالکل ثبوت نہ ہو اور رزق حق ہے۔ جیسا رزق دینے والا حق ہے اور رزق میں شک کرنا گویا رزاق میں شک کرنا ہے۔

ہمارے آج کے یقین پرورد ناک قصہ عبرت

یہاں تک کہ ایک شخص نے حکایت کی ہے کہ قبروں سے کفن چرایا کرتا تھا، پھر توبہ کر لی۔ اس نے ایک عارف سے کہا کہ میں نے ایک ہزار قبریں اکھڑی ہیں، مگر میں نے سب مردوں کے منہ قبلہ سے پھرے ہوئے پائے۔ اس عارف نے کہا کہ بدگمانی رزق نے ان کے منہ کو قبلہ سے پھیر دیا۔ یعنی چونکہ رزاق پر بدگمانی ظاہر کرکے دل دے لگایا تھیں دوسرے اسباب کی طرف رخ توجہ کرتے تھے، اس کی سزا میں یہ رخ ظاہری بیت اللہ سے پھر گیا۔

آٹھواں فائدہ: فرمایا اللہ تعالیٰ نے: مِثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ اس سے اثبات رزق میں تاکید ہوگئی اور اس کی حقیقت کو ذہن نشین کردیا اور یہ بات بتلا دی کہ کسی صاحب ایمان اور اہل ایقان کو اس میں شک روز دونہیں ہونا چاہیے اور اس کا ثبوت دل کی آنکھوں کے سامنے ایسا ہے جیسے ظاہری گویائی ان آنکھوں سے معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے معنی کو صورت کی طرف نقل کردیا اور غیبت کو شہادت سے تشبیہ دی

جیسا رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرما دیا، کیونکہ آپ نے یوں فرمایا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ سو طلب کو مباح فرمایا۔ پس گویا یوں ارشاد ہوا کہ جب طلب کرو تو طریق جمیل سے طلب کرو۔ یعنی طلب میں اللہ کے ساتھ تعلق و تعویض رکھو، سو پیغمبر خدا ﷺ نے وجوہ (ذرایع معاش) طلب کو مباح فرما دیا اور طلب تحلف اسباب ہے اور یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ آدمی جو کھاتا ہے اس میں بڑی حلال چیز وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کمائے اور بہت حدیثیں ہیں جو اسباب کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں، بلکہ اسباب پر ترغیب اور استحسان (شریعت کی پسندیدگی) معلوم ہوتا ہے۔

دنیاوی ذریعہ معاش کرنا اور اس کے فائدے

اور اسباب میں بہت فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے قلوب کا ضعیف ہونا اور مشاہدہ قسمت (تقدیر کے لکھے کو اپنی آنکھوں دیکھ لینے) سے قاصر ہونا اور سچے بھروسہ سے عاجز ہونا معلوم ہے، اس لئے اسباب کو ان کیلئے مباح کر دیا تاکہ ان کے دلوں کو سہارا رہے اور ان کے نفس ثابت رہیں سو یہ اللہ کا ان پر احسان ہے۔

دوسرا فائدہ: یہ کہ اسباب میں آبرو والے سوال سے اور رونق ایمان زائل ہونے سے محفوظ رہتی ہے جس کا اندیشہ مخلوق سے طلب کرنے میں ہے۔ سو جو کچھ اللہ تعالیٰ اسباب سے جو عطا فرماتا ہے اس میں کسی مخلوق کی منت نہیں کیونکہ کوئی یوں احسان نہیں رکھتا کہ میں نے تجھ سے فلاں چیز خریدی یا کسی کام پر تجھ کو نوکر رکھا، کیونکہ اس نے اپنی غرض میں سعی کی ہے اور اپنی ذات کو نفع پہنچانے کا قصد کیا ہے، اس سبب سے بے منت حاصل ہو گیا۔

تیسرا فائدہ: یہ کہ لوگوں کو اسباب میں لگا دینے سے گناہ اور بافراغت مخالفت کرنے سے بچا لیا۔ مجموعہ خیر و میں جب اسباب معطل ہو جاتے ہیں یعنی

کوئی کام نہیں رہتا تو غافلین کیسے فرصت میں اللہ کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی میں غرقاب ہو جاتے ہیں سو ان کو کام میں لگا دینا اللہ کی بڑی رحمت ہے۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اسباب کے سرانجام دینے میں تارکین دنیا پر رحمت ہے اور طالبان اطاعت اور فارغین عبادت پر اللہ کا بڑا احسان ہے اگر اہل اسباب سرانجام اسباب نہ کرتے تو خصوصیت والے کو خلوت اور یکسوئی سے کوئی مدد کیسے بن آیا۔ پس حق سبحانہ وتعالیٰ نے اسباب کو ان لوگوں کی خدمت کیلئے مقرر کر دیا جو اس کی طرف متوجہ ہیں اور ادھر رخ کئے ہوئے ہیں۔

پانچواں فائدہ: یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اہل ایمان آپس میں مل جل کر رہیں چنانچہ فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ سو اسباب تعارف باہمی کا باعث اور محبت باہمی کا موجب ہوگئی اور اسباب کا انکار وہی کرے گا جو جاہل ہے یا جو شخص کہ اللہ سے غافل ہے اور ہم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ پیغمبر ﷺ نے جب لوگوں کو خدا کی طرف بلایا تو اسباب چھوڑنے کا ان کو حکم کیا بلکہ ان کو ایسے اسباب پر قائم رکھا جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوں اور ہدایت کی طرف ان کو بلایا اور قرآن وحدیث دونوں ثبوت اسباب پر ہیں کسی نے خوب کہا ہے

دیکھو مریم کو ہوا تھا حکم خدا	نخل بن کو تو ہلا اور کھا رطب
چاہتا گر شاخ کو دیتا قریب	ہے مگر عالم میں ہر شی کا سبب

اس شاعر نے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا o

مریم علیہا السلام کو حکم ہوا کہ ہلا اپنی طرف کو شاخ کھجور کی گرے گی تیرے اوپر تازہ چھوارے پکے ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ نے احد کی لڑائی میں دو زرہیں اوپر تلے پہنیں اور نیز آپ نے ککڑی کو کھجور کے ساتھ کھایا اور فرمایا یہ اس کی دافع ضرر ہے اور پیغمبر خدا ﷺ نے ان پرندوں کی نسبت جو ارشاد فرمایا کہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر لوٹ

جاتے ہیں۔ اس میں بھی اسباب کا ثبوت ہوتا ہے کیونکہ صبح و شام کی آمد و رفت بھی ایک سبب ہے کہ پرندوں کے حق میں قائم کیا گیا ہے جیسے کہ آدمی صبح و شام اپنے ٹھکانوں کی طرف جاتے ہیں۔

کسب معاش اور رضا کے حق میں قول فیصل

قول فیصل اس مقدمے میں یہ ہے کہ اسباب کا وجود تو ضرور ہونا چاہیے مگر ان پر نظر نہ ہونی چاہیے۔ جیسے اسباب کو ثابت رکھنا کیونکہ اللہ نے اپنی حکمت سے ان کو ثابت کیا مگر اس کا مشاہدہ کرے چونکہ اس کی احدیت (یکتائی) کا یقین رکھتا ہے۔

روزی کمانے والوں کی قسمیں اور طلب رزق میں اجمال کے معنی:

اگر کوئی سوال کرے کہ حدیث میں جو آیا ہے فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب سو اس اجمال سے کیا مراد ہے تو جواب یہ ہے کہ اجمال فی الطلب کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں۔ مگر جو اللہ نے جس قدر کھولا ہے وہ ہم ذکر کرتے ہیں۔ سو جاننا تو اللہ کی تجھ پر عنایت ہو کہ روزی کو طلب کرنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ شخص ہے جو اس میں غرق ہو کر اور تمامی ہمت کو اس میں مستغرق کر کے اس کو طلب کرتا ہے۔ اس میں تو ضرور اس کا رخ اللہ کی طرف سے پھر جاتا ہے۔ کیونکہ ہمت جب ایک طرف متوجہ ہوں تو دوسری جانب سے ہٹ جاتی ہیں۔

شیخ ابومدین فرماتے ہیں کہ قلب ایک طرف متوجہ ہوتا ہے جس طرف پھیرو کے دوسری طرف سے پھر جائے گا۔ حق تعالیٰ یوں فرماتا ہے:

ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ.

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے جوف میں دو دل نہیں بنائے۔

یعنی ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا باعث ضعف بشریت ہے کہ دو طرف توجہ ممکن نہیں ہوتی۔ انسان جب کبھی دو طرف متوجہ ہوگا ایک جہت میں ضرور خلل واقع ہوگا اور تمام جہات کا ایک وقت میں سرانجام کرنا اس طرح کہ کسی

میں خلل واقع نہ ہو۔ یہ اللہ ہی کی شان ہے، اسی لئے حق سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ

یعنی وہی ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔

اس سے یہ بات بتا دی کہ وہ اہل آسمان کی طرف بھی متوجہ ہے اور اہل زمین کی طرف بھی، نہ اہل آسمان کی طرف متوجہ ہونا اہل زمین کے حال پر توجہ فرمانے سے مانع نہیں اور اہل زمین کی طرف متوجہ ہونا اہل آسمان کے حال پر توجہ فرمانے سے مانع نہیں اور اسی طرح کوئی چیز کسی چیز سے اس کو غافل نہیں کرتی اسی وجہ سے اللہ کے لفظ کو اس آیت میں مکرر لائے اور اگر اس لفظ کو مکرر نہ لاتے تو یہ فائدہ اس لفظ سے حاصل نہ ہوتا یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مقتضی تو ہے ہی، اس سے واضح ہو گیا کہ جو شخص رزق کو اس طرح ڈھونڈے کہ اس پر اوندھا ہو کر اللہ سے غافل ہو جائے وہ شخص طلب میں اجمال نہیں کرتا اور جو ایسا نہ ہو وہ اجمال کرتا ہے دوسرے معنی اجمال کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے روزی طلب کرے اور کوئی مقدار اور سبب اور وقت مقرر نہ کرے۔ بلکہ حق تعالیٰ اس کو جو چاہے اور جس طرح چاہے جس وقت چاہے روزی دے اور یہ ادب طلب ہے اور جو شخص روزی طلب کرے اور یا مقدار یا سبب یا وقت معین کرے وہ اللہ تعالیٰ پر حکومت چلاتا ہے اور غفلت نے اس کے قلب کو گھیر لیا ہے۔

ایک حکایت: کسی کی حکایت ہے یوں کہا کرتا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان اسباب کو چھوڑ دوں اور مجھ کو دو روٹی روزانہ کہیں سے مل جایا کریں۔ مقصود یہ تھا کہ کلفت اسباب سے راحت ملے۔ دیکھو مقدار جو معین کی اس کا وبال آتا ہے، وہ شخص کہتا ہے کہ میں اتفاقاً قید ہو گیا اور مجھ کو قید خانے میں ہر روز دو روٹیاں ملا کرتی تھیں، اسی حالت میں ایک زمانہ دراز گزر گیا یہاں تک کہ تنگ دل ہونے لگا ایک روز کچھ سوچ رہا تھا کہ مجھ سے کہا گیا کہ تو نے ہم سے دو روٹیاں مانگی تھیں اور

عافیت نہیں۔ تنگی کی سو جو تو نے تنگی دو کم سے تجھ کو دیا میں نے اعتقاد کیا اور رجوع
الی اللہ کیا۔ کیا ایک کوئی شخص دروازہ وآید خانے کا کھٹکھٹاتا ہے۔ پس میں چھوٹ کر باہر
نکلا، ہوا سے اے ایمان والے! اس قصے سے ادب حاصل کر اور یہ مت طلب کر کہ ایک
امر سے نکال کر دوسرے امر میں تجھ کو داخل کیا جائے۔ بشرطیکہ تو جس حالت میں ہے
وہ شریعت کے موافق ہو کیونکہ اس طرح طلب کرنا اللہ کے ساتھ بے ادبی ہے۔ پس
صبر اختیار کر۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ تو از خود کسی امر سے نکلنا چاہے بلکہ تیرا مطلب تجھ کو مل
جائے اور راحت نصیب نہ ہو۔ کیونکہ بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ایک سبب کو چھوڑ
کر دوسرے سبب میں داخل ہوتے تاکہ ثروت و راحت ملے اور وہ اور تعب میں پڑ
گئے اور آسانی کی عوض تنگی بڑھ گئی اس سزا میں کہ اپنے لئے یہ صورت تجویز کی تھی اور
ہماری ایک دوسری کتاب میں یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر تجھ کو اسباب میں رکھے
اس وقت تجرید طلب کرنا شہوت خفیہ ہے اور اگر تجھ کو تجرید میں رکھے اس وقت
اسباب طلب کرنا خلاف ہمت خفیہ ہے۔ (ف یعنی اگر پیشہ وغیرہ جس کے ذریعے حق تعالیٰ تجھ کو
رزق دے رہا ہے اگر شریعت کے موافق ہو تو اس پر صبر کر اور دوسرے ... حق تعالیٰ ... اگر شریعت کے خلاف
ہو تو بیشک اس ذریعہ کو چھوڑ کر دوسرے طریقے سے رزق تلاش کی خدا سے مدد مانگے۔)

شیطان کی ایک بڑی مکاری کا انکشاف

پس خوب سمجھ لے کہ اللہ کی تجھ پر مہر ہو کہ اس دشمن کی یعنی شیطان کی یہ عادت
ہے کہ جس کام میں تو لگا ہوا ہے اسی راہ سے تیرے پاس آتا ہے اور تیری نظر میں اس کی
تحقیر کرتا ہے تاکہ جس شغل میں تجھ کو اللہ نے رکھا ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے میں لگ
جائے۔ پھر تیرا دل مشوش اور وقت مکدر ہو اور یہ یوں ہوتا ہے کہ اہل اسباب کے
پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تم اسباب چھوڑ دو اور مجرد ہو جاؤ تو تمہارے انوار روشن
ہوں گے اور تمہارے قلوب اسرار منکشف ہوں اور یوں کہتا ہے کہ دیکھو فلاں فلاں
نے ایسا ہی کیا اور حالانکہ یہ شخص اس قابل نہیں ہے کہ اس سے تجرید کی امید ہو نہ اس
کو اس قدر طاقت ہے بلکہ اس کی خیریت اسباب ہی میں ہے۔ پس وہ اسباب کو

چھوڑ بیٹھتا ہے۔ پھر اس کا ایمان ڈگمگ ہونے لگتا ہے اور یقین جاتا رہتا ہے اور خلقت سے طلب کرنے کی طرف اور رزق کے اہتمام کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پس دریائے دوری میں پھینک دیا جاتا ہے اور اس دشمن ایمان کا یہی مقصود تھا کیونکہ وہ تیرے پاس خیر خواہ کے پیرایہ میں آتا ہے اس لئے کہ اگر دوسری صورت میں آئے تو اس کی بات کیسے مانے جیسے آدم وحوا علیہ السلام کے پاس ناصح بن کر آیا اور کہا۔

مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ.

جیسے اوپر بیان ہو چکا اسی طرح تارکین اسباب کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ کب تک ان اسباب کو چھوڑے رہو گے، تم کو معلوم نہیں کہ ترک اسباب میں قلوب کی توجہ لوگوں کے مال میں ہونے لگتی ہے اور دروازہ طمع کا کشادہ ہو جاتا ہے اور اس حالت میں تجھ سے نیکی کی وجہت روائی ممکن ہے نہ سخاوت کر سکتا ہے نہ حقوق ادا کر سکتا ہے اور ہمیشہ تو منتظر بیٹھا رہتا ہے کہ کچھ مخلوق سے فتوح ہو اگر تو اسباب اختیار کرے تو پھر اور لوگ منتظر رہا کریں گے کہ ان کو تجھ سے کچھ فتوح ہو اور بہت سی باتیں سمجھاتا ہے اور حالانکہ اس شخص کا وقت خوش تھا اور نور کشادہ تھا اور انقطاع خلائق میں راحت ملی تھی ہمیشہ اس کے سر رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اسباب کی طرف رجوع کرتا ہے پھر اسباب کی کدورت اس کو پہنچتی ہے اور اس کی ظلمت گھیر لیتی ہے اور جو شخص ہمیشہ اسباب میں رہتا ہے اس کی حالت اس شخص سے اچھی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ اسباب والا راہ میں چل کر نہیں لوٹا اور مقصود کی طرف متوجہ ہو کر نہیں مڑا۔ بخلاف اس شخص کے کہ راہ مولیٰ میں قدم اٹھا کر لوٹ آیا اور اعراض کیا نعوذ باللہ۔ خوب سمجھ لے اور اللہ کی پناہ میں آ جو اللہ کی پناہ میں آیا وہ سیدھی راہ چلایا گیا۔ صرف مقصود شیطان کا یہ ہے کہ لوگوں کو جو اپنے اپنے حال میں اللہ تعالیٰ سے رضا نصیب ہے اس سے باز رکھے اور یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حالت ان کیلئے پسند فرمائی ہے اس سے جدا کر کے ایسی حالت میں پھنسا دے جس کو یہ لوگ خود اپنے

لئے پسند کریں اور اللہ تعالیٰ جس حالت میں داخل فرماتا ہے اس میں مدد فرماتا ہے
اور جس میں تو خود داخل ہو تیرے ہی حوالے کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ
وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا○

"تو دعا کر کہ اے پروردگار داخل کر مجھ کو داخل کرنا اچھا اور نکال مجھ کو نکالنا اچھا اور کر
میرے واسطے اپنے پاس غلبہ مدد کرنے والا۔"

سو مدخل صدق کے یہی معنی ہیں کہ تو اس میں داخل کیا جائے۔ خود داخل
نہ ہو علیٰ ہٰذا القیاس مخرج صدق کو سمجھو اور اللہ تعالیٰ کو جو امر تجھ سے مطلوب ہے یہ
ہے کہ تجھ کو جس حالت میں قائم کر دے وہاں ہی ٹھہر جائے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ
ہی تیرے نکلنے کا سامان کر دے، جیسا داخل کرنے کا کیا تھا اور یوں کام نہیں چلتا
کہ تو سبب کو چھوڑ دے بلکہ بڑی بات تو یہ ہے کہ سبب تجھ کو چھوڑ دے۔ کسی بزرگ
نے فرمایا ہے کہ میں نے اتنے اتنے مرتبہ سبب کو چھوڑا مگر پھر لوٹ کر ادھر ہی آیا۔
پھر مجھ کو سبب نے چھوڑ دیا، پھر میں ادھر نہیں آیا۔

شیخ کا واقعہ: میں ایک بار شیخ ابو العباس مرسیؒ کے پاس آیا اور میرے دل میں
تجرید کا پختہ ارادہ تھا اور اپنے جی میں کہتا تھا کہ میری جو حالت اب ہے کہ علم ظاہری
میں مشغول ہوں لوگوں سے اختلاط ہوتا ہے اس حالت میں تو وصول الی اللہ بہت
بعید ہے میں پوچھنے بھی نہیں پایا تھا کہ فرمانے لگے کہ ایک شخص نے میری صحبت اختیار
کی جو علوم ظاہری میں مشغول تھا اور اس میں صدر نشین تھا اس کو کچھ اس طریق کا
مذاق ہوا تو میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ یا حضرت جس شغل میں میں ہوں اس کو
چھوڑ کر فراغت سے آپ کی صحبت میں رہوں۔ میں نے جواب دیا کہ یہ کوئی بڑی
بات نہیں تم اپنی حالت میں رہو جو کچھ اللہ نے تمہاری قسمت میں ہمارے ہاتھ سے
لکھا ہے وہ تم کو پہنچتا رہے گا۔ پھر شیخ میری طرف دیکھ کر فرمانے لگے کہ صدیقین کی
یہ شان ہے کہ کسی حالت سے خود نہیں نکلتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو نکالے۔

میں شیخ کی خدمت سے آیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ خطرات میرے دل سے دھو ڈالے تھے اور مجھے راحت تسلیم میسر ہوئی۔ فی الحقیقت ایسوں ہی کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔ تیسرے معنی اجمال فی الطلب کے یہ ہو سکتے ہیں کہ اللہ سے مانگے مگر قصد یہ ہو کہ اللہ سے مناجات کرتا ہوں خود وہ چیز مطلوب نہ ہو صرف طلب کرنا بہانہ مناجات ہو۔ اسی لئے شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ دعا میں یہ قصد نہ ہونا چاہیے کہ مراد مل جائے کہ اس قصد میں تو اپنے رب سے محجوب ہو جائے گا بلکہ مقصود اعظم مناجات مولیٰ ہو۔ اور منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں پوچھتے پھرا کرتے تھے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو کچھ پیغام دیتا ہے؟ یہ صرف اسی لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرا زیادہ باتیں ہوں۔ چوتھے معنی اجمال فی الطلب کے یہ ہیں کہ طلب کرنے کے وقت یہ مشاہدہ کر کہ جو کچھ بھی تیری قسمت میں ہے وہ خود تجھ کو ڈھونڈتا آئے گا اور تیرا طلب کرنا اس تک نہ پہنچائے گا۔ پس تیری طلب اس حال میں ہونی چاہیے کہ تو دریائے عجز میں غرق ہو احتیاج میں غوطہ زن ہو۔ اور کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ حظوظ بشریہ کیلئے طلب نہ ہو بلکہ اظہار عبودیت کیلئے ہو جیسا حکایت ہے کہ حضرت سمنون محب رحمۃ اللہ علیہ بھی ذوق وشوق میں یوں کہتے ہیں

جز ترے مجھ کو کوئی بھاتا نہیں　　آزما لے جس طرح چاہے مجھے

پس جب بول کی بیماری میں مبتلا ہو گئے، پس صبر کیا اور مستقل رہے یہاں تک کہ ان کا ایک شاگرد آ کر کہنے لگا کہ اے استاد میں نے گزشتہ شب تمہاری آواز سنی کہ اللہ سے شفا و عافیت مانگ رہے تھے، حالانکہ انہوں نے دعا نہیں کی تھی۔ پھر دوسرا شاگرد آیا پھر تیسرا شاگرد آیا پھر چوتھا آیا ان کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ اپنی محتاجی اور ضرورت عافیت ظاہر کروں، پھر اللہ سے شفا چاہی پھر مکتب کے بچوں میں گھومتے پھرتے تھے اور فرماتے تھے اپنے جھوٹے چچا کیلئے دعا کرو۔ پانچویں معنی اجمال فی الطلب کے یہ ہیں کہ اللہ سے اتنا مانگے جو کافی ہو اور اتنا نہ

مانگے جس میں حد سے نکلنے لگے۔ قدر کفایت سے جو زائد ہو اس کی طرف حرص کے ساتھ توجہ نہ ہو نہ رغبت کے ساتھ اس کی طرف دل کھلنا چاہیے اور یہ بات ہم کو رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائی ہے کہ دعا مانگے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ قُوْتَ آلِ مُحَمَّدٍ كَفَافاً

یعنی اے اللہ محمد کے گھر والوں کو اتنا دے کہ برابر سرابر ہو جائے۔

کفایت سے زیادہ طلب کرنے والا تو بلی کوشش ہے (بڑا کام کرتا ہے) اور طالب کو کفایت پر کچھ ملامت نہیں۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ یعنی قدر کفایت پر تجھے ملامت نہیں کی جاتی۔

ثعلبہ کا قصہ: اور اس مضمون میں تیرے لئے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد جو ثعلبہ بن حاطب کو فرمایا تھا کافی ہے جب اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو مال دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ثعلبہ بن حاطب وہ قلیل جس کا تو شکر ادا کرتا رہے اس کثیر سے بہتر ہے جو تجھ سے اٹھایا نہ جائے۔ ثعلبہ نے مکرر عرض کیا آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا کہ جس قلیل کا شکر ادا کرے وہ اس سے اچھا جو تجھ سے اٹھ نہ سکے وہ برابر اصرار کرتا رہا، یہاں تک کہ آپ نے اس کی مرضی کے موافق دعا فرما دی۔ پس اس نے جو رسول اللہ ﷺ کی پسند کی ہوئی حالت کی مخالفت کر کے اپنی پسند کی ہوئی حالت کو اختیار کیا اس کا انجام یہ ہوا کہ اس کا مال بڑھ گیا یہاں تک کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے سے بچھڑ جاتا (پیچھے رہ جاتا) پھر مال اور بڑھا یہاں تک کہ بجز جمعہ کے کوئی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ پڑھتا، پھر بکریاں مواشی اس قدر بڑھیں کہ جمعہ کی نماز بھی نہ ہو سکی۔ پھر اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے زکوۃ لینے والا آیا، کہنے لگا کہ میری رائے میں تو یہ جزیہ ہے یا مشابہ جزیہ کے اور زکوۃ نہ دی اور اس کا قصہ مشہور ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی شان میں یہ نازل فرمایا: وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ اِلٰى قَوْلِهٖ يَكْذِبُوْنَ یعنی ان منافقوں میں سے بعضے ایسے ہیں کہ اللہ سے عہد کیا کہ اگر ہم کو اپنے فضل سے عطا

کریں تو ہم خوب خیرات کریں اور بھلائی والوں میں سے ہو جائیں۔ پس جب
اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دیا تو بخل کرنے لگے اور منہ موڑ کر اعراض کرتے
ہوئے۔ یعنی بدلہ دیا اللہ نے ان کو کہ دلوں میں نفاق پیدا کر دیا جو اس سے ملنے کے
دن تک رہے گا۔ بسبب اس کے کہ اللہ سے انہوں نے وعدہ خلافی کی اور بسبب اس
کے کہ جھوٹ بولتے تھے۔ چھٹے معنی اور اجمال فی الطلب کے، دنیا مانگنے میں ہوتا
ہے۔ یعنی اس طرح کہ اس پر بس نہ کرے بلکہ دعا میں آخرت کو بھی ملا لے۔ فرمایا
اللہ تعالیٰ نے: فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُوْلُ رَبَّنَا إِلَى عَذَابَ النَّارِ یعنی بعضے تو یوں دعا
کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور ان کو آخرت میں کچھ
حصہ نہیں ملتا اور بعضے یوں دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی
دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور بچا ہم کو عذاب دوزخ سے۔ ساتویں معنی
بھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ اس طرح طلب کرے کہ ملنے میں شک نہ ہو
اور حرمت کا پاس رکھے۔

دعا قبول ہونے کی مدت

آٹھویں معنی ایک اجمال فی الطلب یہ ہے کہ طلب کرتا رہے اور یہ تقاضہ نہ ہو
کہ جلدی قبول ہو اور غیر اجمال یہ ہے کہ جلدی کا تقاضہ ہو اور نبی ﷺ نے اس سے
منع فرمایا ہے۔ اور ارشاد ہوا ہے کہ دعا قبول ہوتی ہے جب تک یہ تقاضہ نہ ہو کہ میں
نے تو دعا کی مگر قبول ہی نہیں ہوتی اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے
فرعون کیلئے بددعا کی جیسا اللہ تعالیٰ نے قصہ بیان فرمایا ہے

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ إِلَى قَوْلِهِ أَلِيم۔

یعنی اے ہمارے رب مٹا دے ان کے مال اور سختی کر دے ان کے دلوں پر
بس یہ ایمان نہ لانے پائیں۔ یہاں تک کہ دیکھیں عذاب دکھ دینے والا۔ اللہ تعالیٰ
نے جواب میں فرمایا قَدْ أُجِيبَتْ إِلَى قَوْلِهِ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی تم دونوں کی دعا

قبول ہو گئی۔ پس دونوں مستقیم رہو اور راہ مت چلو ان لوگوں کی جو جانتے نہیں۔ اور
اللہ تعالیٰ کہتے ہیں فرماتے ہیں کہ قد اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا اور فرعون کے ہلاک
ہونے میں چالیس سال کی مدت تھی۔ شیخ ابوالحسنؒ نے فاستقیما کی تفسیر میں فرمایا
کہ مستقیم رہو جلدی مراد مت مانگنے پر اور الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ کی تفسیر میں کہا کہ مراد اس
سے وہ لوگ ہیں جو قبولیت دعا میں جلدی چاہتے ہیں۔ یوں معنی کبھی اجمال فی
الطلب یوں ہوتا ہے کہ طلب کرے پھر اگر مل جائے شکر کرے اور اگر نہ ملے تو اس
کی خوبی اختیار اور عمدہ پسند کو مشاہدہ کرے۔ کیونکہ بہت سے طالب ملنے پر شکر نہیں
کرتے اور نہ ملنے پر اللہ تعالیٰ کی مصلحت دانی پر نظر نہیں رکھتے، بلکہ جو طلب کرتا ہے
اسے یقین ہوتا ہے کہ میرے مصلحت ملنے ہی میں ہے۔ حالانکہ اس نادان کو کہاں
مناسب ہے کہ علم الٰہی کے مقابلے میں حکم لگائے اور اللہ کے غیب پر واقف ہو جائے
اور بندے کی یہی حالت بس ہے کہ اپنے سوال کے مقابلے میں تجویز لگائے۔

دعا کا مقبول طریقہ

پس جب اس سے سوال کرتے ہو تو اسی طرح سوال کرو کہ اسی کو تفویض کر دے
اور اس کے آگے نہ تدبیر چلائے نہ تجویز ٹھہرائے۔ خود ارشاد فرمایا:

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ

یہ حکم تو اس امر میں ہے جس کا خیر و شر ہونا معلوم نہ ہو تفصیل اس میں یہ ہے کہ
آدمی جس چیز کیلئے دعا کرتا ہے وہ تین قسم ہے ایک وہ جو یقیناً خیر ہو اس کو تو بے
استثناء اللہ سے مانگنا چاہیے، جیسے ایمان اور سب طاعتیں، دوسرے وہ جو یقیناً شر
ہو اس سے بلا استثناء بچنے کی دعا کرنے چاہیے، جیسے کفر اور سب گناہ، تیسرے وہ
جس کا حال معلوم نہ ہو، جیسے غنی ہونا، معزز ہونا، بلند مرتبہ ہونا، اس کو اللہ سے یہ کہہ کر
مانگنا چاہیے کہ یا اللہ اگر یہ میرے حق میں بہتر ہو تو عنایت فرما ورنہ خیر۔ ایسا ہی سنا
ہے میں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے دوسرے معنی کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ

طلب کے وقت اس کی تقسیم ازلی پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنی دعا کی طرف نسبت نہیں کرتے۔ کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ طلب کر رہے ہیں مگر یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم مستحق نہیں یہ لوگ سزاوار ہیں کہ منت خداوندی کے مستحق ہوں۔ شیخ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ جب میں نے اللہ سے کوئی چیز مانگی ہے اپنی تمام برائیاں پیش نظر کر لی ہیں۔ مقصود شیخ رحمۃ اللہ کا اس مراقبے سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے ایسے وصف کے ساتھ سوال نہ ہو جس میں استحقاق عطا ہو، بلکہ اس کا فضل اس کے فضل ہی کے ذریعہ سے مانگا جائے۔ پس یہ دس توجیہیں اجمال فی الطلب کی ہیں اور انحصار مقصود نہیں کیونکہ اس میں اس سے بھی زیادہ وسعت ہے، لیکن ہم نے اس قدر بیان کیا ہے جتنا غیب سے مولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ نے عنایت کیا اور یہ حدیث کلام صاحب انوار محیط کا ہے۔ مراد رسول اللہ ﷺ ہیں سو لینے والا اپنی نورانیت کے موافق اس سے لے سکتا ہے اور آپ کے دریائے جواہر سے اسی قدر لے گا جس قدر غوطہ لگائے گا اور ہر شخص اپنے مقام کے موافق سمجھتا ہے۔ اس کی مثال ہے جیسے بہت طرح کے درخت ہوں کہ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں پھر بعضوں کو بعضوں پر میوے میں بزرگی دی ہے۔ یعنی فیاض ایک ہے اختلاف فیوض اختلاف استعداد مستفیضین سے ہے۔ اور جو چیز لوگوں نے تمہیں لی وہ لئے ہوئے سے زیادہ ہے اور یہ ارشاد نبوی کہ مجھ کو جامع کلمات عنایت ہوئے اور میرے لئے کلام مختصر کیا گیا ہے۔ سو اگر علمائے الٰہی ابدالآباد تک آپ کے کلام مبارک کے ایک کلمے کے اسرار بیان کریں تب بھی علم میں اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور فہم سے اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ کسی بزرگ کا قول ہے کہ میں نے ستر برس تک اس حدیث پر عمل کیا اور ابھی تک فارغ نہیں ہوا حدیث یہ ہے۔ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ یعنی آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ غیر مفید چیزوں کو ترک کر دے اور اس بزرگ نے سچ کہا اللہ اس سے خوش رہے اور اگر وہ بزرگ بقائے دنیا تک زندہ رہتے بلکہ ابدالآباد تک تب بھی اس حدیث کے حقوق سے اور جو کچھ اس میں عجائب علوم اور

اسرار فہوم ہر جگے ہیں ان سے فارغ نہ ہوتے۔

مضمون اصلی شروع: دیکھو یہ ارشاد نبوی کہ اگر تم کو اللہ پر بھروسہ ہوتا جیسا ہونا چاہیے تو تم کو اس طرح رزق دیتا جیسے پرندوں کو دیتا ہے۔ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر جاتے ہیں۔ اس حدیث کو دیکھتے ہو کہ امر بالتوکل پر دلالت کرتی ہے (توکل کا حکم دیتی ہے)۔ نفی اسباب پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اسباب کے اثبات پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ یوں فرمایا ہے کہ صبح کو آتے ہیں شام کو جاتے ہیں۔ سوان کیلئے صبح کو آنا شام کا جانا ثابت کیا کہ ان کے حق میں یہی سبب ہے۔ البتہ ذخیرہ کرکے رکھنے کی نفی فرمائی، پس گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم کو پورا توکل ہوتا تو تم ذخیرہ نہ کیا کرتے اور تم کو توکل کرنا ذخیرہ رکھنے سے بے نیاز رکھتا اور تم کو اس طرح سے رزق ملتا جیسے پرندوں کو ملتا ہے کہ ایک دن کی روزی مل گئی دوسرے دن کیلئے ذخیرہ نہیں کرتے چونکہ ان کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ضائع نہ کرے گا، سوائے ایمان والو! تم تو اس سے زیادہ مستحق ہو پس آپ نے یہ بات بتلا دی کہ ذخیرہ کرنے کا باعث ضعف یقین ہے۔

مال جمع کرنے والوں کی قسمیں: اگر کوئی دریافت کرے کہ ہر ذخیرہ کا یہی حکم ہے یا حالت مختلف ہے۔ تو جاننا چاہیے کہ ذخیرہ رکھنا تین قسم پر ہے۔

۱۔ ذخیرہ رکھنا ظالمین کا۔

۲۔ ذخیرہ رکھنا مقتصدین کا۔

۳۔ ذخیرہ رکھنا سابقین کا

قسم اول: یعنی ظالمین وہ لوگ ہیں جو ذخیرہ کرتے ہیں بخل سے اور دولت بڑھانے کو اسباب کرتے ہیں (دولت کو روکتے ہیں)۔ یعنی بگھارنے کو اور فخر کرنے کو سو ان لوگوں کے قلوب میں غفلت خوب جم گئی اور ان کے نفوس پر حرص غالب ہو گئی ان کی حرص دنیا سے فرصت نہ پائے گی ان کی ہمت دنیا کے سوا کسی طرف نہ جائے گی، ان کی محتاجی ثابت ہے اگرچہ ظاہر میں غنی ہوں ان کی ذلت ظاہر ہے

اگرچہ دیکھنے میں معزز ہوں یہ لوگ دنیا سے خیر نہ ہوں گے اور اس کی طلب سے سست نہ ہوں گے اسباب دنیا ان کے ساتھ بازی کرتے ہیں۔ ان کے متفرق رب ہو رہے ہیں یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں یہی لوگ ہیں غافل ان کے دلوں میں علم کے یاد رکھنے کی اور نصیحت سننے کی جگہ نہیں۔ بلکہ بہت ہی کم ان کے اعمال مقبول ہوتے اور ان کے احوال صاف ہوتے ہیں کیونکہ اندیشہ فقر دنیا کے دلوں میں بس رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جس کے دل میں اندیشہ فقر جاگزیں ہو اس کا عمل بہت ہی کم مقبول ہوتا ہے۔ پس جو ایسا تدارا ان بلا سے عافیت میں ہو جس میں وہ پھنسے ہیں اور اس آفت سے سالم ہو جس میں وہ بکھر رہے ہیں اور اس کدورت سے پاک ہو جس میں وہ بکھر رہے ہیں۔ اس پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے۔ اس فضل پر جس کے ساتھ اس کو مخصوص کیا اور اپنے عطا سے اس پر انعام کیا اور جب ایسے لوگوں کو دیکھے تو کہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَهٗ تَفْضِيْلًا

جیسے جب کسی ایسے کو شخص کو دیکھتا ہے جس پر مصیبت ہولی ہو تو اللہ کی حمد کرتا ہے جس نے مجھ کو عافیت دی اور اس وقت اپنے مولیٰ کے انعام کا مشاہدہ کرتا ہے، اسی طرح تجھ پر واجب ہے اور سزاوار ہے کہ اللہ کا شکر کرے جب تجھ کو اسباب دنیا اور اس میں پھنسنے سے عافیت عنایت فرمائے اور دوسروں کو مبتلا کرے اور ان کو حقیر نہ سمجھے بلکہ بجائے حقیر سمجھنے کے ان پر رحم کرے اور بجائے بددعا کے ان کیلئے دعا کرے۔

حضرت معروف کرخیؒ کی دعا: عارف باللہ حضرت معروف کرخیؒ کے نقل کا اتباع کرکے جو سراپا معروف یعنی نیکی تھے قصہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت معروف کرخیؒ اپنے یاروں کے ساتھ دجلہ پر گذرے ان کے یاروں نے دجلہ پر ایک جلسہ دیکھا جو کہ اہل لہو و فسق و نشاط تھے۔ سب نے عرض کیا کہ اے استاد ان کیلئے بددعا کیجئے

آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کیا، یا اللہ تو نے جیسا ان کو دنیا میں خوش کیا ہے آخرت میں بھی ان کو خوش رکھ۔ یاروں نے عرض کیا کہ اے استاد! ہم نے تو بددعا کو کہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جب اللہ کو آخرت میں خوش رکھنا منظور ہوگا تو ان کو توبہ کی توفیق دے گا، تمہارا اس میں کیا نقصان ہے۔ اسی وقت اس جلسے کے لوگ کشتی سے آئے اور مرد ایک طرف اترے عورتیں ایک طرف، دونوں پاک صاف ہوئے اور توبہ کرتے ہوئے اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان میں حضرت معروف کرخیؒ کی دعا کی برکت سے بڑے بڑے عابد و زاہد ہوئے۔ پس جب گناہگاروں پر نظر پڑے تو یہ سمجھ کر علم ازلی اور مشیت قطعی میں ان پر یوں ہی حکم ہو چکا ہے اگر تو ایسا نہ کرے گا تو تجھ پر اندیشہ ہے کہ ایسے ہی امتحان میں تو نہ پھنس جائے اور ان کی طرح تو بھی دور ڈال دیا جائے۔

مومن کا مرتبہ

شیخ ابوالحسنؒ کا ارشاد ہے کہ فرماتے ہیں ایمان والوں کی تعظیم کرو، اگرچہ وہ عاصی فاسق ہوں اور ان کو نیک بات بتاؤ اور بری بات سے منع کر اور ان سے ملنا اگر چھوڑے تو وہ بھی شفقت سے ہو، نہ اپنی بڑائی جتلانے کو، شفقت یہ کہ ہمارے ملنا چھوڑنے سے اس کو تنبیہ ہوگی اور راہ راست پر آ جائے گا، اور یہ بھی شیخؒ کا قول ہے کہ اگر مومن عاصی کا نور ظاہر ہو جائے تو زمین و آسمان کے درمیان تمام فضا کو بھر دے تو مومن مطیع کی کیا کیفیت سمجھتے ہو اور اہل ایمان اگرچہ اللہ سے غافل ہوں اُن کی تعظیم کیلئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا... الی... فَوْبِہٖ بِاِذْنِ اللّٰہِ

یعنی پھر وارث کیا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو جن کو ہم نے برگزیدہ کیا اپنے بندوں سے سو بعض تو ان میں اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض بیچ کی چال چلتے ہیں اور بعض نیکیوں میں بڑھے ہوئے ہیں اللہ کے حکم سے۔

سو خیال کر کہ باوجود ظالم ہونے کے ان کیلئے اصطفا (چنی) کس طرح ثابت

فرمایا اور ظلم کو اس کا سبب قرار نہیں دیا کہ ان کو برگزیدگی سے یا وراثت کتاب سے نکال دے اور ان کو ایمان سے پسند کیا اگرچہ گناہ سے ظالم ہوں، یعنی پاک ہے وسیع رحمت والا بڑی منت والا۔ اور جاننا چاہیے کہ اس کے ملک میں ضرور ایسے بندے بھی ہونے چاہئیں جو مستحق حلم اور مظہر رحمت و مغفرت و قبول شفاعت ہوں اور اس حدیث کو سمجھ کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو نابود کر کے دوسری قوم کو ظاہر کرتا جو گناہ کرتے پھر استغفار کرتے پھر اللہ ان کو بخشتا۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: میری شفاعت اہل کبائر کیلئے ہے میری امت میں سے۔ ان حدیثوں میں وسعت رحمت اور حکمت وقوع معاصی کا بیان کرنا مقصود ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ گناہ سے اللہ و رسول خوش ہوتے ہیں (یعنی اوپر کے مضمون میں گناہگار مسلمانوں کی تعظیم اور ان کے مرتبے کے بیان سے کوئی یہ خیال نہ کر بیٹھے کہ پھر تو گناہ خوب کرنے چاہئیں بلکہ مقصد گناہ کی پیدائش کا بیان کرنا ہے۔ یعنی اظہار مغفرت جس طرح کفر کی پیدائش کی حکمت الٰہی اظہار جلال و غضب ہے۔)

ایک شخص شیخ ابو الحسنؒ کے پاس آ کر کہنے لگا، اے حضرت! گزشتہ شب ہمارے پڑوس میں ایسی ایسی باتیں ہوئیں اور اس شخص سے آثار معصیت کے ظاہر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: اے شخص! شاید تو یوں چاہتا ہے کہ اللہ کے ملک میں اس کی معصیت نہ ہو جو شخص یوں چاہتا ہے کہ معصیت نہ ہو وہ یوں چاہتا ہے کہ اس کی مغفرت ظاہر نہ ہو اور حضرت کی شفاعت نہ ہو۔ ختم ہوا کلام شیخؒ کا۔ اور بہت سے ایسے گنہگار ہیں کہ ان کی کثرت گناہ اور لغزش موجب رحمت پروردگار ہو جاتی ہے۔ پس تو اس پر رحم کر اور اس کے ایمان کی عزت سمجھ اگرچہ گناہ کرتا ہے۔

قسم دوم: ذخیرہ جمع کرنا مقصد تین یعنی بیچ کی چال چلنے والوں کا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ دولت بڑھانے اور شیخی بگھارنے اور بڑائی جتلانے کیلئے ذخیرہ نہیں کیا بلکہ محتاجی میں اپنے اضطراب کا حال معلوم کیا پس سمجھے کہ اگر ذخیرہ نہیں کرتے تو ان کا ایمان مختل ہوتا ہے اور یقین میں شک ہوتا ہے۔ پس انہوں نے اس لئے ذخیرہ کر لیا کہ متوکلین کے حال کی ان میں ہمت نہیں اور جانتے ہیں کہ ہم مقام یقین

سے عاجز ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: مومن قوی اللہ کے نزدیک مومن ضعیف سے اچھا ہے اور یوں سب ہی اچھے ہیں پس مومن قوی وہ ہے کہ اس کا نور یقین روشن ہو، پس اس نے یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ میرا رزق ضرور میرے پاس پہنچائے گا۔ خواہ ذخیرہ کرے یا نہ کرے اور اگر میں ذخیرہ نہ کروں گا تو اللہ میرے لئے ذخیرہ کرے گا اور ذخیرہ والے اپنے ذخیروں کے حوالے کئے جاتے ہیں اور توکل والے اللہ کے حوالے ہیں اور کسی شے کے حوالے نہیں کئے گئے۔ سو مومن قوی وہ شخص ہے جو اسباب کا سہارا نہ کرتا ہو خواہ اسباب میں ہو یا نہ ہو اور جو مومن ضعیف ہے وہ اگر اسباب میں داخل ہے تو ان کا کچھ سہارا سمجھتا ہے اور اگر اسباب سے خارج ہے تو ان کی طرف نگراں ہے۔

قسم سوم: ذخیرہ رکھنے نہ رکھنے کے اعتبار سے وہ لوگ ہیں جو سابقین ہیں، یعنی مراتب میں بڑھے ہوئے ہیں وہ لوگ ہیں کہ اللہ کی طرف بڑھ گئے کیونکہ ان کے دل اس کے ماسوا سے خالص ہو گئے۔ پس ان کو موانع (دنیاوی تمنائیں) اللہ سے نہ روک سکے اور علائق اللہ سے غافل نہ کر سکے۔ پس اللہ کی طرف دوڑ پڑے کیونکہ ان کو کوئی امر مانع نہ تھا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے صرف غیر اللہ کے تعلق کی کوشش نے روک رکھا ہے۔ جب ان کے قلوب اللہ کی طرف جانا چاہتے ہیں وہ تعلق اس چیز کی طرف کھینچتا ہے جس کی طرف تعلق ہے۔ پس وہ واپس لوٹ آتے اور اسی چیز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، سو درگاہ بے نیاز ایسے شخص کو نصیب نہیں ہوتی جس کی یہ حالت ہو۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ: کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تجھ کو پیچھے سے کوئی چیز کھینچ رہی ہو اور تو خدا کی درگاہ میں پہنچ جائے۔ اس مقام پر حق سبحانہ و تعالیٰ کا یہ ارشاد سمجھو۔

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ

یعنی نہ نفع دے گا مال اور اولاد اس دن مگر جو لایا اللہ کے پاس قلب سلیم۔

اور قلب سلیم وہ ہے جس کو سوائے حق تعالیٰ کے کسی سے تعلق نہ ہو اور فرمایا

اللہ تعالیٰ نے:

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

یعنی تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا ہم نے تم کو اول بار پیدا کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے پاس آنا اور وہاں تک رسائی ہونا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ کل ماسوا سے جدا ہو جائے۔ (یعنی ہر چیز سے بے غرض، بے پرواہ اور بے خیال ہو جائے یعنی کہ اپنی جان کا بھی خیال، محبت اور عزت دل میں اپنی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس لئے ہو کہ جان کی حفاظت کا حکم شرعی ہے) اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝

یعنی کیا اللہ نے تجھ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس جب ہی ٹھکانا دیتا ہے جب ماسوا (ہر چیز) سے یتیم ہو جاؤ۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ ۝

یعنی اللہ طاق ہے دوست رکھتا ہے طاق کو۔

یعنی اس قلب کو دوست رکھتا ہے جو مخلوقات کی آمیزش کے ساتھ جفت نہ ہو، پس یہ قلوب اللہ کے ہیں اور اللہ کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے اللہ کو تصرف کرنے دیا۔ پس اس نے ان کو ان کے نفوس کی طرف نہیں حوالے کیا اور ان کو ان کی تدبیر پر نہیں چھوڑا سو یہ لوگ دربار والے ہیں جن کے ساتھ احسان سے معاملہ کیا جاتا ہے۔ مخلوقات ان کو اللہ سے جدا نہیں کر لیتی اور حسن عارضی (یعنی دنیا کی حسن زیبائش، ٹھاٹ باٹ وغیرہ) ان کو اللہ سے غافل نہیں کر سکتا۔ اور اس مضمون میں ہمارے اشعار ہیں ۔

کیا حقیقت ہے تری اے مست ناز	ہو اگرچہ حسن میں تو بے نظیر
لیک تجھ میں ایک ہے تیغ نہاں	اس نے مجھ کو کر لیا اپنا اسیر

بعضوں کا قول ہے کہ اگر مجھ کو غیر کی طرف نظر کرنے کا حکم ہو تو مجھ سے نہ ہو

تھے، کیونکہ ذخیرہ تو ہے ہی نہیں جس کو دیکھیں اور یہ ان لوگوں کا حال ہے کہ حفاظت
الٰہی جن کی ذمہ دار اور عنایت ہی ان کی نگہبان ہے۔ بھلا ان لوگوں سے کب ہو سکتا
ہے کہ ذخیرہ رکھیں وہ تو مسافر باش اور گدا ہیں اور اگر ذخیرہ کرتے ہیں تو اس پر اعتقاد
نہیں رکھتے اور ان سے کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی اور کا سہارا تکیں، وہ تو اس کی احدیت کا
مشاہدہ کرتے ہیں۔ شیخ ابوالحسن شاذلی نے فرمایا ہے کہ ایک بار مجھ پر خوف غالب
ہوا میں نے دعا کی کہ اس کو مجھ سے چھپا لیا جائے۔ حکم ہوا کہ جو دعائیں موسیٰ کلیم
اللہ اور عیسیٰ روح اللہ اور محمد حبیب اللہ ﷺ نے مانگی ہیں اگر سب جمع کر کے بھی دعا
کرو گے تو قبول نہ ہوگی مگر یہ دعا کرو کہ تم کو اس کے برداشت کی قوت ہو جائے۔
میں نے دعا کی اللہ نے مجھ کو قوت دی۔ سو جس شخص کا یہ حال ہو وہ ذخیرہ رکھنے کا
محتاج کیوں ہونے لگا یا اس سے کیسے ہو سکتا ہے کہ غیروں کا سہارا ڈھونڈے؟ اور
ایمانداروں کو بھی بہت ہے کہ اپنے ایمان و توکل کا ذخیرہ جمع کرے اور جن کو اللہ کی
طرف سے سمجھ ہے وہ اسی پر توکل کرتے ہیں۔ پس اللہ ان کیلئے ذخیرہ کرتا ہے اور
انہوں نے اس کا پاس کیا وہ ان کا نگہبان ہو گیا اور وہ لوگ اللہ کے ہو گئے اور اس
کے ساتھ ہو گئے۔ پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کس طرح ان کا مددگار بن گیا۔ ان کے مہمات
میں کفایت فرمائی اور ان کے فکروں سے دور کیا وہ لوگ رزق کا اہتمام چھوڑ کر اس
کے احکام میں یہ یقین کر کے لگ گئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خود ان کے حوالے نہ کرے گا
اور اپنے فضل سے ان کو محروم نہ رکھے گا، سو یہ لوگ راحت میں داخل ہو گئے اور جنت
تسلیم و لذت تفویض میں واصل ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کا مرتبہ بلند کیا اور ان
کے انوار کو کامل فرمایا اور وہ لوگ اس قابل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان سے
حساب بھی اٹھا لے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

سبعون الفا من امتی یدخلون الجنة بغیر حساب من هم
یا رسول اللہ قال هم الذین لا یسرقون ولا یشرفون ولا
یتطیرون وعلی ربهم یتوکلون.

جب انھوں نے یقین کرلیا کہ جو تیرے آگے ان کی ملک نہیں بلکہ صرف ایک
نسبت ہے جو تیری طرف اضافت کی گئی ہے اور ایک ضیافت مہمانی ہے جس سے
تجھ پر منت رکھی تاکہ تیرا حق ان کے سامنے ظاہر ہو۔ وہ علم جس سے آگاہ یہ عقیدہ رکھتا ہے
یا اس کے ظاہر پر رہ جاتا ہے یا اس کے باطن کی طرف پہنچتا ہے۔ اسی نے انبیاء
علیہم السلام پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ تھے وہ وہاں کی کسی شے میں کوئی
ملک نہیں ہوتی کہ اس میں زکوۃ واجب ہو۔ زکوۃ تو اس چیز کی واجب ہوتی ہے جو
تیری ملک میں ہو۔ معتزلہ اپنے اموال کو اللہ کی امانت سمجھتے ہیں۔ خرچ کے
وقت خرچ کرتے ہیں اور بے موقع نہیں دیتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زکوۃ اس لئے
ہے کہ دینے والے سے جو گناہ وغیرہ ہوئے ہیں اس سے پاک صاف ہو جائے۔
فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا

یعنی ان کے مال سے صدقہ لو کہ اس سے ان کو پاک و صاف کر دو۔

انبیاء علیہم السلام گناہوں سے پاک ہیں بوجہ معصوم ہونے کے۔ اور اسی لئے
امام ابوحنیفہ نے نابالغوں پر زکوۃ واجب نہیں کی۔ کیونکہ لڑکا کوئی گناہ نہیں کرتا ہے گناہ
تو بعد مکلف ہونے کے ہوتا ہے۔ اور مکلف ہوتا بعد بلوغت کے ہے۔ تم اس مقام میں
ارشاد نبوی کو سمجھو۔

نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُوَرِّثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ

یعنی ہم گروہ انبیاء ہیں ہمارا کوئی وارث نہیں بنتا جو ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

جو بات تم نے ذکر کی ہے وہ اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور جو ہم نے ذکر کی
ہے وہ اس سے اعلیٰ ہوتی ہے اور اہل معرفت جو اس کی احدیت کا مشاہدہ کرتے
ہیں جب ان کا یہ حال ہے کہ اللہ کے سامنے اپنی ملک نہیں سمجھتے تو انبیاء و مرسلین علیہم
السلام کی نسبت کیا کہنا ہے۔ اہل توحید و معرفت انہیں کے دریا سے چلو
لیتے ہیں اور ان کے انوار سے مستفید ہوتے ہیں۔

حکایت احمدؒ: حکایت ہے کہ امام شافعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہما دونوں بیٹھے تھے کہ ایک شیبان راعی آ پہنچے، امام احمد نے امام شافعی سے کہا کہ ان کی بڑی شہرت ہے، کچھ ان سے پوچھوں۔ امام شافعی نے فرمایا ایسا مت کرو، امام احمدؒ نے فرمایا ضرور پوچھنا چاہئے۔ پھر ان سے مخاطب ہو کر کہا شیبان تم اس آدمی کے حق میں کیا حکم دیتے ہو جو چار رکعت میں چار سجدہ بھول گیا، فرمانے لگے: اے احمد! یہ دل اللہ تعالیٰ سے غافل ہے اس کو سزا دینا چاہئے۔ پس امام احمد یہ سن کر بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش آیا تو کہنے لگے اس شخص کے حق میں کیا حکم لگاتے ہو جس کے پاس چالیس بکریاں ہوں ان کی زکوٰۃ کس قدر ہے؟ فرمانے لگے کہ ہمارے مذہب پر یا تمہارے مذہب پر، امام احمد نے کہا کیا اس میں دو مذہب ہیں؟ فرمایا ہاں دو مذہب ہیں تمہارے مذہب پر تو چالیس بکریوں پر ایک بکری ہے اور ہمارے مذہب پر یہ ہے کہ غلام آقا کے ہوتے ہوئے کسی شے کا مالک نہیں ہوتا۔ (بزرگوں نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کی تین قسم ہیں عوام کیلئے چہارم خواص کے حق میں نصف)

حضور کے مال جمع کرنے کی وجہ

حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سال کے گزارے کے لائق ذخیرہ رکھا ہے۔ سو یا تو وہی بات ہے جو ہم نے پہلے کہا ہے کہ انبیاء کا ذخیرہ کرنا بطور امانت کے ہوتا ہے کہ وہ ایسا وقت تجویز کیا کرتے ہیں جس میں خرچ کر دینا مناسب ہو اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے عیال کیلئے ذخیرہ رکھا تھا یا یہ وجہ ہے کہ امت کیلئے ذخیرہ رکھنے کا جواز بیان فرمائیں، کیونکہ جب ذخیرہ پر بھروسہ نہ ہو تو منافی توکل نہیں اور دلیل اس کی کہ رسول اللہ ﷺ کا بیان جواز امت کیلئے تھا۔ یہ کہ آپ ﷺ کی غالب حالت یہی ہے کہ ذخیرہ نہیں رکھتے تو صرف اس لئے ذخیرہ رکھا کہ امت پر وسعت اور رحمت ہو اور حضورؐ نے امت پر شفقت ہو کیونکہ اگر آپ ﷺ ذخیرہ نہ فرماتے تو کسی مومن کو آپ کے بعد ذخیرہ کرنا جائز نہ ہوتا۔ سو آپ ﷺ نے یہ اس

لئے لیا کریں کا شکر یوں فرمائیں۔ اور ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے۔

انی لا انسی و انسی لاسن

کہ میں اس لئے بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تاکہ قاعدہ مقرر کروں۔

سو آپ نے ظاہر فرما دیا کہ بھولنا میری صفت اور شان نہیں ہے بعض دینی مصلحتیں واقع ہوتے ہیں کہ امت کیلئے اس کا حکم اور بیان سے متعلق ہو ظاہر فرمائیں۔ خوب سمجھو حدیث پاک کو۔

طالب علم کا رزق اور علم کی تعریف

یہ جو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ طالب علم کے رزق کا کفیل حق تعالیٰ ہے۔ جاننا چاہئے کہ لفظ جہاں کہیں قرآن و حدیث میں آیا ہے اس سے مراد علم نافع ہے جس کے ساتھ خوف و خشیت مقرون (اللہ کا خوف ضروری) ہو۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

کہ حق تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔

پس حق تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ علم کو خوف لازم ہے اس سے مفہوم ہوا کہ علماء وہی ہیں جو ڈرتے ہیں۔ اسی طرح جانیے آیتیں فَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا اور یہ حدیثیں إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ، الْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ اور اس مقام پر جو حدیث ہے طَالِبُ الْعِلْمِ تَكَفَّلَ اللَّهُ بِرِزْقِهِ ان سب احادیث میں علم نافع مراد ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا کلام اس سے پاک ہے کہ وہ کسی معنی پر محمول کیا جائے جس سے اس کو اور کتاب میں بیان کیا ہے وہ طالب رزق ہوتے جو اطاعت پر متعین ہوا اور خشیت الٰہی اور دنیا میں وہ کوئی بھی حرام کام نہ کرے اور یہ علم معرفت ہے اور علم نافع میں ذات و صفات اور احکام شرعیہ بھی شامل ہے۔ جب اتنی تحقیق ہو چکی تو یہ جو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ طالب علم کی روزی کا اللہ تعالیٰ کفیل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے کہ اس کو رزق پہنچے گا خرچ کا رزق سے اور عزت سے اور سامان سے کا

حجاب ہے۔ اور ہم نے یہ تاویل کیوں کی اور کفالت کو ایک خاص طرح کی کفالت کیوں لیا؟ وجہ یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ تو سبھی کی روزی کا ذمہ دار ہے خواہ علم طلب کریں یا نہ کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کفالت کوئی خاص کفالت ہے جس کی طرف ہم نے ذکر کیا کیونکہ اس کو جداگانہ بیان کیا۔

شیخ کی دعا اور طلب رزق: اسی وجہ سے شیخ ابوالعباس نے اپنی حزب میں جہاں بہت سی چیزوں کی دعا کی ہے کہ ہم کو فلاں فلاں چیز عطا فرمائیے وہاں یہ بھی کہا

وَالرِّزْقَ الْهَنِيَّ الَّذِي لَا حِجَابَ بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَلَا سُؤَالَ وَلَا حِسَابَ وَلَا عِقَابَ عَلَيْهِ فِي الْآخِرَةِ عَلٰى بِسَاطِ عِلْمِ التَّوْحِيْدِ وَالشَّرْعِ سَالِمِيْنَ مِنَ الْهَوٰى وَالشَّهْوَةِ وَالطَّبْعِ۔

یعنی ہم کو رزق خوشگوار عطا فرمائیے جس سے دنیا میں حجاب نہ ہو اور آخرت میں اس پر سوال وحساب وعذاب نہ ہو اس حال میں کہ ہم مقام حقیقت وشریعت پر قائم رہیں اور ہوا وشہوت وتقاضائے طبع سے سالم رہیں۔

سو انھوں نے اللہ سے رزق خوشگوار مانگا اور وہ رزق وہ ہے جس کی کفالت طالب علم کیلئے ہوئی ہے پھر اس کی تفسیر یوں کی کہ اس سے دنیا میں حجاب نہ ہو اور آخرت میں حساب نہ ہو۔ کیونکہ جس سے دنیا میں حجاب ہو جائے اس میں کچھ خوشگواری نہیں۔ کیونکہ حجاب موجب دلتنگی ہے کہ حضوری سے محروم ہو اور مواجہت (باری تعالیٰ کی معرفت واتحضار) سے دوری ہے کہ جیسا عوام سمجھتے ہیں کہ خوشگوار رزق وہ ہے جو بے محنت اور بے مشقت مل جائے۔ سو خوشگواری غافلین (دنیا والے) کے نزدیک باعتبار بدن کے ہے اور اہل فہم (اللہ والے) کے نزدیک باعتبار قلوب کے اور حجاب جو رزق سے ہو جاتا ہے اس کی دو وجہ ہیں یا تو اسباب میں پڑ کر اللہ سے غفلت ہو جاتی ہے یا اس کے برتنے میں یہ قصد نہیں ہوتا کہ اطاعت خداوندی پر قوت حاصل کریں۔ سو اول تو حصول میں حجاب ہے اور دوسرا استعمال میں۔

نعمتوں کا حساب و سوال

یہ جو شیخؒ نے فرمایا کہ اس پر سوال، حساب، عذاب آخرت میں نہ ہوگا سو سوال
جو نعمتوں کے حقوق سے ہوتا ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ۝

یعنی پھر تم پوچھے جاؤ گے اس روز نعمت سے۔

رسول اللہ ﷺ نے اور بعض صحابہؓ نے کچھ کھانا نوش جان فرمایا پھر ارشاد ہوا:
واللہ تم آج کی نعمت سے سوال کئے جاؤ گے اور شیخؒ فرماتے تھے کہ سوال دو قسم پر ہے
ایک سوال تشریف یعنی واسطے اظہار شرف کے اور دوسرا تعنیف یعنی واسطے لعنت
وملامت کرنے کے۔ سو اہل طاعت و مستحقان عنایت سے تو سوال تشریف ہوگا اور
اہل غفلت و اعراض سے سوال تعنیف اور اس بات کو سمجھ اللہ تجھ پر رحم کرے کہ حق
سبحانہ وتعالیٰ اگرچہ صادقین کے اخبار اور پوشیدہ اسرار پر مطلع ہے۔ مگر پھر بھی ان
سے سوال فرمائے گا تاکہ ان کا مرتبہ اور صدق اور لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے اور
ان کی خوبیاں قیامت میں کھول دے جیسا آقا اپنے غلام سے پوچھے تم نے فلاں
فلاں مقدمے میں کیا کیا اور خود واقف ہے کہ اس کو خوب عمدہ چلایا ہے مگر منظور یہ
ہے کہ حاضرین بھی جان لیں کہ غلام اس مولیٰ کے احکام کو کیسے اہتمام سے بجا لایا اور
مولیٰ کو اس کے حال پر کیسی عنایت ہے۔ اور جو شیخؒ کا قول ہے کہ حساب نہ ہوگا سو
حساب نتیجہ سوال کا ہے جب سوال سے سالم رہیں گے حساب سے بھی سالم رہیں
گے اور جب ان دونوں سے سالم رہے تو عقوبت سے سالم رہے سو اگرچہ یہ مضامین
باہم لازم و ملزوم تھے۔ مگر پھر بھی شیخؒ نے ان کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا تاکہ معلوم ہو
جائے کہ رزق خوشگوار میں تین خصلتیں ہیں کہ اگر ان میں ایک بھی ہوتی تب بھی قابل
طلب کرنے کے تھی۔

رزق کے ساتھ مقام توحید یعنی دنیا کے ساتھ دین

جو شیخؒ نے یہ کہا کہ تم توحید و حقیقت پر قائم ہو ان کا مطلب یہ ہے کہ حق کی

حق ہے اور کسی کی ملک ہی نہیں اور ظاہر شریعت کا پابند نہیں رہتا ایسا شخص اپنے کو دریائے زندیقی میں ڈال دیتا ہے اور اس کا حال اس پر وبال ہو جاتا ہے۔ بڑی بات تو یہ ہے کہ حقیقت کے ساتھ موید ہو شریعت کا مقید ہو اور محقق ایسا ہی ہوتا ہے نہ تو حقیقت کے ساتھ چمٹا چلا جوے نہ صرف ظاہر نسبت شریعت کیساتھ ٹھہر جائے اس کے درمیان میں رہے۔ سو ظاہر نسبت جو ملک کی مخلوقات کی طرف ہے اس پر ٹھہر جانا شرک ہے۔

ف: یعنی اصطلاح حقیقت میں اور حقیقت کے ساتھ چل نکلنا کہ شرع کی پابندی نہ رہے معطل ہو جاتا ہے اور اہل ہدایت کا مقام دونوں کے۔۔۔ درمیان ہے جیسا کہ گوبر اور خون کے درمیان میں سے خالص دودھ نکلتا ہے کہ پینے والوں کے گلے میں اترتا چلا جاتا ہے۔

رزق اور اس کے اثرات و کیفیات

اور جاننا چاہیے کہ مقدمہ رزق میں بہت سے امور وارد ہوتے ہیں اور بہت سے عوارض پیش آتے ہیں اور شیخ نے ان میں سے بہت سے اس اپنے قول میں بیان کئے ہیں۔

اَمْرُ هٰذَا الرِّزْقِ وَاعْصِمْنِي مِنَ الْحِرْصِ وَالتَّعَبِ فِي طَلَبِهٖ وَمِنْ شُغْلِ الْقَلْبِ وَتَعَلُّقِ الْهَمِّ بِهٖ وَمِنَ الذُّلِّ لِلْخَلْقِ بِسَبَبِهٖ وَمِنَ التَّفَكُّرِ وَالتَّدْبِيْرِ فِيْ تَحْصِيْلِهٖ وَمِنَ الشُّحِّ وَالْبُخْلِ بَعْدَ حُصُوْلِهٖ۔

یعنی یا اللہ مسخر کر دے میرے لئے قصہ اس رزق کا اور بچا مجھ کو حرص سے اور اس کی طلب میں مشقت سے اور اس کے ساتھ قلب کے مشغول ہونے سے اور اس کی تحصیل میں فکر و تدبیر کرنے سے اور بعد حاصل ہونے کے حرص و بخل سے۔

اور عوارض جو مقدمہ رزق میں پیش آتے ہیں کچھ منحصر نہیں کہ پورے بیان کئے جائیں۔ سو ہم بھی صرف شیخ کے مضامین پر گفتگو شروع کرتے ہیں۔ سو جاننا چاہیے کہ رزق کی نسبت بندے کی تین حالتیں ہیں: ایک تو ملنے سے پہلے یہ تو حالت

سعی کی ہے۔ دوسری حالت اس کے بعد یہ حصول کی حالت ہے۔ تیسری حالت اس کے گزرنے کے بعد یعنی وہ رزق جب ختم ہو چکے سو جو حالت قبل حصول پیش آتی ہے وہ حرص ہے اور طلب میں مشقت اٹھانا اور اس کے ساتھ قلب کا مشغول ہونا اور اس کے ساتھ فکر کا متعلق ہونا اور اس کے سبب مخلوق کے روبرو ذلت اٹھانا اور اس کی تحصیل میں فکر و تدبیر کرنا۔ سو حرص کی حقیقت تو یہ ہے تحصیل رزق سے نفس کے ساتھ ایک رغبت قائم ہو اور اس پر بالکل اوندھا ہو جانے اس کا منشاء ہے یقین نہ ہونا اور یقین کا ضعیف ہونا اور ان دونوں کا منشاء بے نور ہونا اور اس کا منشاء وجود حجاب ہے۔ کیونکہ اگر قلب انوار مشاہدہ سے معمور ہوتا اور منت الٰہی اس کو گھیرے ہوتی تو اس پر وارد ہونے حرص نہ آتی اور اگر نور یقین قلب پر پھیلا ہوتا تو اس کو قسمت سابقہ مکشوف ہو جاتی تو حرص ممکن نہ ہوتی اور یہ شخص یقین کر لیتا کہ اللہ کے پاس میری قسمت کا رزق ہے ضرور میرے پاس پہنچائے گا اور تعب کرنا طلب رزق میں دو قسم ہے یا تو تعب جسمانی یا تعب روحانی اگر تعب جسمانی ہے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگنا چاہئے۔ کیونکہ جب طالب رزق پر تعب جسمانی (جسمانی مشقت) غالب ہوتا ہے اس کو بجا آوری احکام سے باز رکھتا ہے اور راحت کے ساتھ جو رزق ملتا ہے اس میں فرصت اطاعت اور بجا آوری خدمت سہل ہے اور اگر تعب روحانی ہے تو اس سے اور بھی زیادہ پناہ مانگنا چاہئے وجہ اس کی یہ ہے کہ تعب روحانی اس سے ہوتا ہے کہ طلب رزق میں کلفت اٹھائے اس میں فکر کرے اور اس کا بوجھ اس کو گراں بار کر دے اور راحت بغیر توکل میسر نہیں ہوتی کیونکہ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بوجھ کو اتار دیتا ہے اور اس کے عوض خود اٹھا لیتا ہے جیسا فرمایا۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

پھر شیخؒ نے دعا میں کہا کہ قلب کے مشغول ہونے اور اس میں فکر کے متعلق ہونے سے بچا سو قلب کا قصد رزق کے ساتھ مشغول ہونا حجاب عظیم ہے۔

یہاں تک کہ شیخ ابوالحسنؒ کا قول ہے کہ اکثر جس نے مخلوق کو محجوب کر رکھا ہے

دو دو چیزیں ہیں۔ فکر رزق اور خوف خلق اور دونوں میں فکر رزق بڑا حجاب ہے۔
کیونکہ بہت سے لوگ خوف خلق سے فارغ ہیں مگر فکر رزق سے بہت ہی کم خالی ہیں،
خصوصاً ایسی حالت میں کہ احتیاج تیرے وجود کے ساتھ قائم ہے اور تو ایسی چیز کا
محتاج ہے کہ تیری ترکیب کو قائم رکھے اور تیری قوت کو مضبوط کرے۔ اور یہ جو شیخ نے
کہا کہ فکر متعلق ہونے سے بچ اس سے مراد یہ ہے کہ رزق کے ساتھ ہمت اس قدر
متوجہ ہو کہ اس میں استغراق کی نوبت آ جائے یہاں تک کہ اور کسی شے کی گنجائش نہ
رہے، اور یہ وہ حالت ہے کہ دوری کی موجب ہے اور نور وصال کو تاریک کر دیتی
ہے اور یہ آواز بلند کہتی ہے کہ اس حالت والے کا قلب نور یقین سے عاجز ہے اور قوت و
تمکین سے مفلس ہو گیا اور یہ جو کہا کہ رزق کے باعث مخلوق کے روبرو ذلیل ہونے
سے بچ۔ سو جاننا چاہیے کہ جس شخص کا یقین ضعیف ہوا اور دولت عقل سے کم نصیب
ہوا اس کیلئے ذلت ضروری ہے، کیونکہ اس کو مخلوق سے طمع ہوئی خالق پر یقین نہ ہوا۔
وجہ اس کی یہ ہے اس نے قسمت ازلی کو نہ دیکھا اور اس کے صادق الوعدہ ہونے کا
یقین اس کو نصیب نہیں ہوا اس نے مخلوق کے آگے تملق کر کے ذلیل ہوا اور ان کو تو
لگا کر ان کو لپٹا اور یہ اس کی سزا ہے کہ اللہ سے غافل ہوا اور آخرت میں جو سزا ہو گی
وہ اور بھی سخت ہے۔ اور اگر اس شخص کا ایمان اور توکل صحیح ہوتا تو یہ سب سے معزز
ہوتا۔ فرمایا اللہ نے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

یعنی اللہ ہی کی عزت ہے اور رسول کی اور مومنین کی۔

سو مومن اپنے رب سے عزت حاصل کرتا ہے اور کسی سے عزت نہیں لیتا
کیونکہ یقین رکھتا ہے کہ عزت سب اللہ ہی کی ہے اور وہی عزت والا ہے اس کے
سامنے کوئی عزت والا نہیں اور وہی عزت دینے والا ہے، کوئی دوسرا عزت دینے والا
نہیں۔ سو اس شخص کو اعتماد نے عزت دی اور توکل نے حمایت کی پس کر خواری
نہیں کیونکہ اس کو اپنے رب پر اپنی قسمت پر سچا بھروسہ ہے اور اس کو غم نہیں کیونکہ

اللہ کی سنت پر اس کو پورا اعتماد ہے اور وہ اس ارشاد خداوندی کو سن رہا ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥

یعنی نہ دل برداشتہ ہو نہ مغموم ہو تم ہی غالب رہو گے اگر ایمان دار ہو۔

سو مومن کی عزت اس میں ہے کہ مخلوق سے طمع نہ کرے اور بادشاہ حقیقی پر یقین کرے اس کا ایمان نہیں مانتا کہ وہ اپنی حاجت غیر رب کی طرف لے جائے یا اپنے قلب کو ماسوا کی طرف متوجہ کرے۔ اسی لئے بعضوں نے کہا ہے۔

ہو جو مومن اس کو قطعاً ہے حرام	رکھے اوروں سے جو امید عطا
ٹھہر جا اے یار اور کر ذکر حق	ہو فنا اس میں اس میں ہو بقاء
ملک گیری بادشاہوں کا ہو نصیب	یہ وہ شاہی ہے نہیں جس کو فنا

جس شخص کو اللہ نے طمع کی غلامی سے آزاد کیا ہو اور تقویٰ کی عزت دی ہو اس پر بڑا احسان فرمایا اور اسی پر کامل انعام کیا اور یوں جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو متعدد خلعت عنایت کئے خلعت ایمان، خلعت معرفت، خلعت طاعت، خلعت سنت جو مخلوق سے طمع کرے اور غیروں کا آسرا تکے ان کو میلا نہ کرے۔

<u>شیخ کا ایک خواب:</u> شیخ ابو الحسنؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ارشاد فرمایا: اے علی اپنے کپڑے میل کچیل سے صاف رکھ، ہر دم تجھ کو اللہ کی مدد پہنچے گی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے کپڑے کون سے ہیں؟ فرمایا: جان کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو خلعت ایمان، خلعت معرفت، خلعت توحید، خلعت محبت عنایت فرمایا ہے۔ شیخ کہتے ہیں اس وقت میری سمجھ میں اس آیت کے معنی آئے: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ٥ پس جو شخص اللہ کو پہچانے گا اس کی نظر میں سب چیزیں چھوٹی معلوم ہوں گی اور جو اللہ سے محبت رکھے گا اس کے نزدیک سب چیزیں بے قدر ہو جائیں گی۔ اور جو شخص اللہ کو واحد سمجھے گا وہ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرے گا، اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا وہ ہر بلا سے مامون رہے گا، اور جو اللہ کا مطیع ہو گا، اس کی نافرمانی نہ کرے گا اور اگر نافرمانی ہوگی تو عذر کرے گا اور عذر کرے گا

تو مقبول ہوگا۔

صوفی کیلئے ہدایت: جان تو تجھ پر اللہ کی مہر ہو کر سالک آخرت کو مخلوق سے امید اٹھانا اور ان سے کچھ واسطہ نہ رکھنا ایسی زینت ہے کہ دلہن کیلئے زیور بھی نہیں اور ان لوگوں کو اس امر کی اس سے بھی زیادہ حاجت ہے، جیسے جان کو پانی کی اور جس شخص کو شاہی خلعت پہنایا جائے اور وہ اس کو محفوظ رکھے تو زیبا ہے کہ ہمیشہ اس کے پاس رہے اور اس سے نہ چھینا جائے اور جو خلعت عنایت کو میلا کردے تو مناسب ہے کہ اس کے پاس نہ رہنے دیں۔ سوائے بھائی! اپنے ایمان کو جمیع مخلوق سے میلا مت کر اور سوائے رب العالمین کے کسی پر اعتماد مت کر، اگر تو اللہ سے عزت حاصل کرے گا تو اس کے دوام سے تیری عزت بھی دائم رہے گی اور اگر غیر سے عزت حاصل کی تو چونکہ اسے دوام نہیں عزت بھی دائم نہ ہوگی ایک فاضل نے مجھے شعر سنایا ہے۔

مانگ عزت رب سے جس کو ہو قرار مردے کی عزت ہے سب ناپائدار

ایک عارف کا قول معرفت: کوئی شخص کسی عارف کے پاس روتا ہوا گیا انہوں نے وجہ پوچھی کہنے لگا میرا استاد مر گیا۔ عارف نے فرمایا کہ تو نے ایسے کو کیوں استاد بنایا جو مر گیا (یعنی آدمی کو کیوں استاد بنایا جی لا یموت کو بنانا تھا) اور تجھ سے کہا جاتا ہے کہ جب تو غیر اللہ سے عزت ڈھونڈے گا نہ پائے گا اور جب غیر کا سہارا چاہے گا نہ ملے گا جیسا موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو فرمایا تھا کہ: اپنے معبود کو دیکھ جس پر تو لگا بیٹھا تھا ہم اس کو جلا دیں گے، پھر اس کی راکھ دریا میں اڑا دیں گے تمہارا معبود تو وہ ہے جس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں گھیر لیا اس نے ہر چیز کو علم سے۔

حیات ابراہیمؑ کا سبق: اے شخص ابراہیمی بن جا تیرا باپ ابراہیم علیہ السلام لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ٥ فرمارہے ہیں یعنی میں فانیوں سے محبت نہیں کرتا اور اللہ کے سوا سب فانی ہیں یا بالفعل یا بالامکان اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا حکم ہے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام یعنی اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کر۔ سو مومن پر واجب ہے کہ ملت

ابراہیمی کا اتباع کرے اور ملت ابراہیمی میں سے یہ بھی ہے کہ اپنی امید خلقت سے اٹھائے، کیونکہ وہ جس روز منجنیق میں بٹھلا کر دور سے آگ میں پھینکے گئے ہیں جبرئیل علیہ السلام نے کچھ ذکر چھیڑا آپ نے یہی فرمایا کہ تم سے تو کچھ حاجت نہیں ہاں اللہ سے ہے۔ انہوں نے کہا خیر اللہ ہی سے دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا اس کا علم میرے سوال سے کفایت کرتا ہے۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے مخلوق سے اپنی ہمت کو کس طرح بلند رکھا اور اس کو بادشاہ حقیقی کی طرف متوجہ کیا نہ جبرئیل علیہ السلام سے مدد چاہی نہ دعا پر حوالہ رکھا بلکہ حق تعالیٰ کو جبرئیل اور دعا دونوں سے قریب تر دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو نمرود اور اس کی عقوبت سے بچایا اور اپنے عطا و فضل سے ان پر انعام کیا اور توجہ کے ساتھ ان کو مخصوص فرمایا اور منجملہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے غافل کرے اس سے عداوت کرے اور ہمت کو اللہ کی طرف متوجہ کر دے۔ جیسا کہ ان کا قول اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ

یعنی سوا رب العالمین کے سب سے میری عداوت ہے۔

مالدار ہونے کا مجرب نسخہ و کیمیا

غنا کی راہ اگر چاہتے ہو تو وہ اس میں ہے کہ لوگوں سے امید قطع کر دے اور شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ میں خود اس سے مایوس ہو چکا ہوں کہ میں اپنے کو نفع پہنچاؤں تو اس سے کیوں نہ مایوس ہوں گا کہ اور کوئی مجھ کو نفع پہنچائے اور اللہ سے اوروں کیلئے امید رکھتا ہوں تو اس سے اپنے لئے کیسے امید نہ رکھوں، یہی بڑی کیمیا اور اکسیر ہے کہ جس کو مل گئی اس کو ایسی تونگری حاصل ہو گئی جس میں محتاج ہی نہیں اور وہ عزت ملی جس میں ذلت نہیں اور وہ خرچ ملا جس کا خاتمہ نہیں۔ اور یہ ان لوگوں کی کیمیا ہے جن کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے۔

شیخ کا واقعہ: شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص میرے ساتھ ہوا اور مجھ کو گراں معلوم ہوتا تھا میں نے اس کو بے تکلف کیا۔ وہ بے تکلف ہو گیا، میں نے اس سے

پوچھا! اے صاحبزادے! تم کو کیا حاجت ہے اور تم میرے ساتھ کیوں ہوئے؟ کہنے لگا حضرت میں نے سنا ہے کہ آپ کیمیا جانتے ہیں۔ میں اس لئے ساتھ ہوا ہوں کہ اس کو سیکھوں۔ میں نے اس سے کہا تو سچا ہے اور جس نے تجھ سے کہا وہ بھی سچا ہے، مگر خیال کرتا ہوں کہ تو اس کو قبول نہ کرے گا۔ کہنے لگا: کیوں نہیں ضرور قبول کروں گا، میں نے کہا کہ میں نے جو مخلوق کو دیکھا وہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک دشمن، دوسرا دوست، دشمنوں کو جو خیال کیا تو یقین کیا کہ بے حکم خداوندی کے آپ کا کانٹا بھی نہیں چبھا سکتے۔ میں نے اپنی نظر ان سے ہٹالی۔ پھر دوستوں سے تعلق کیا تو ان کو دیکھا کہ وہ بھی بے حکم خدا مجھ کو ذرہ برابر نفع نہیں پہنچا سکتے۔ ان سے بھی قطعی ناامیدی کر لی اور اللہ کے ساتھ تعلق کیا، تو مجھ سے کہہ گیا کہ اس امر کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ ہمارے معاملہ میں بالکل شک نہ رہے اور غیر سے بالکل مایوس نہ ہو جائے کہ وہ قسمت کے علاوہ تجھ کو کچھ دے سکے۔

عمل خیر کی کسوٹی اور اثر: ایک مرتبہ فرمایا اس وقت بھی کسی نے کیمیا پوچھی تھی فرمایا اپنے قلب سے طمع کو نکال دے اور اس سے قطعاً ناامید ہو جا کہ قسمت سے زائد کچھ مل سکے اور یہ یا معمہ بندگی نہیں کہ عمل بہت سے ہوں وظائف پر دوام کرے، بلکہ اس کی نورانیت کی دلیل تو یہ ہے کہ اپنے رب کے ساتھ اور اس سے غنی ہو اور اپنے قلب سے اس کا مقید ہو جائے اور غلامی طمع سے بچے اور زینت تقویٰ سے آراستہ ہو اور اسی سے اعمال میں خوبی اور احوال میں صفائی آتی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝

یعنی ہم نے زمین پر کی چیزیں اس کی سجاوٹ بنائیں تاکہ ہم جانچیں کہ ان میں کون اچھے عمل والا ہے۔

پس انسان کی خوبی اس سے ہے کہ اللہ کی طرف کی سمجھ ہو اور سمجھ وہی ہے کہ اللہ کے ساتھ غنی حاصل ہو اسی پر اکتفا کرے، اسی پر بھروسہ ہو، اسی سے حاجت پیش

ایک بزرگ کا قول: ایک بزرگ کا مقولہ ہے: اے مرد آدمی جو چیز تیری قسمت سے چھوٹنے جیسے مقدر ہو چکی ہے وہ ذرا بھی خرابی کی وجہ نہیں کی گی۔ سو سمجھ دار سے اس کو عزت سے حفاظت سے مت کھا۔ جاننا چاہیے کہ جو اللہ کو پہچانے گا اس کی ضمانت و قدرت پر یقین رکھے گا اور جب تم کو اللہ کے پاس کی چیز پر اس سے زیادہ بھروسہ نہ ہو جتنا اپنے پاس کی چیز پر ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی ذمہ داری پر اس سے زیادہ یقین نہ ہو جتنا مخلوق کی ذمہ داری پر ہوتا ہے اس وقت تک بندے کی نجات کی نہیں ہوتی اور جاہل ہونے کیلئے یہی بہت ہے اگر یہ حالت نہ ہو۔

اللہ والوں کے قصے رزق کے متعلق

کسی شخص نے ایک آدمی کو جو کہ عارف تھا دیکھا کہ ہر وقت جامع مسجد میں رہتا ہے باہر نہیں جاتا۔ اس شخص نے اس قدر اس کی پابندی سے تعجب کیا اور اپنے دل میں سوچا کہ یہ کہاں سے کھاتا ہے؟ وہ عارف اس شخص کے خطرے پر مطلع ہو کر ایک روز اس سے پوچھنے لگا کہ تو کہاں سے کھاتا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ میرا کوئی دوست یہودی ہے اس نے مجھ سے دو روٹی روزانہ کا وعدہ کیا ہے وہ دے جاتا ہے۔ اس عارف نے کہا اے غریب تو نے اپنے لئے ایک یہودی کے وعدہ پر یقین کیا اور میرے اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین نہیں کیا حالانکہ خدا کا ایسا سچا وعدہ ہے جو کبھی خلاف نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا۔ وہ شخص شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

کسی اور بزرگ کا قصہ ہے کہ چند روز کسی امام کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ امام کو ان کے ہر وقت مسجد میں بیٹھے رہنے اور سب کے چھوڑنے سے تعجب ہوا۔ پوچھا کہ کہاں سے کھاتے ہو؟ انہوں نے کہا ذرا ٹھہر جائیں پہلے اپنی نماز پھر لوٹا لوں پھر بتلاؤں گا۔ کیونکہ میں ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتا جو اللہ میں

شک رکھتا ہو۔اس بارے میں اور بہت سی حکایتیں ہیں۔

حضرت علی کا ارشاد: کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر کسی شخص کو ایک کوٹھری میں بند کر کے اوپر سے گارا لیپ دیا جائے تو اس کا رزق کہاں سے آئے گا؟ آپ نے فرمایا جہاں سے موت آئے گی۔ اس حجت کو دیکھ کیسی روشن ہے اور یہ دلیل کیسی واضح ہے اور یہ جو شیخ نے کہا کہ بچا ہم کو فکر و تدبیر کرنے سے، اس کے حاصل کرنے میں سو فکر تو یہ ہے کہ اپنے دل میں یہ مضمون حاضر کرے کہ کوئی غذا ضرور چاہیے جس سے یہ جسم قائم رہے اور تدبیر یہ ہے کہ دل میں کہے کہ فلاں فلاں طریقہ سے رزق ملے گا۔ پھر کچھ نہیں بلکہ فلاں فلاں اسباب سے میسر ہوگا اور یہی ادھیڑ بن یہاں تک بڑھے گا کہ نماز میں خبر نہ ہو کہ کتنی رکعت پڑھی اور تلاوت قرآن میں خبر نہ ہو کہ کیا پڑھا۔ پس وہ اطاعت جس میں تو لگا تھا مکدر ہو جائے اور اس کے انوار (عبادت کی نعمتیں) سے تو بے نصیب رہے اور اس کے اسرار سے تو محروم رہے، سو جب یہ خیال تجھ کو گھیرے تو کدال توکل سے اس کی بنا کو منہدم کر دے اور وجود یقین سے اس کو ریزہ ریزہ کر دے۔

جان تو تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ اللہ تعالیٰ تیری تدبیر کا انجام تیرے ہونے سے پہلے کر چکا ہے۔ اگر تو اپنے نفس کی خیر خواہی چاہتا ہے تو اس کیلئے تدبیر مت کر۔ کیونکہ اس کیلئے تیرا تدبیر کرنا ضرور ہے، کیونکہ اس تدبیر کے سبب سے تجھ کو تیرے ہی حوالے کر دیا جائے گا اور مدد لطف تجھ تک نہ پہنچے گی اور حق تعالیٰ اپنا اعدار کو تدبیر اور مقابلہ تقدیر نہیں کرنے دیتا ہے۔ اگر تجھ کو یہ پیش آئے یا اس کا خطرہ آئے تو اس پر قائم مت رہ۔ کیونکہ نور ایمان اس کو نہیں رہنے دیتا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

یعنی ہمارے ذمہ ہے حمایت ایمان والوں کی۔

اور فرمایا:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۝

جیسے ہم پھونک مارتے ہیں حتیٰ کہ تاحق پر پھیل رہوا اس کا کچھ نشان دیتی ہے پھر وہ جاتا رہتا ہے۔

یہ جو شیخ نے کہا کہ بعد حصول کے حرص و بخل سے بچا سو یہ دونوں عوارض بعد حصول کے ہیں اور یہ دونوں ضعف یقین اور بے اطمینانی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس وقت حرص و بخل واقع ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں حرص و بخل دونوں کی مذمت فرمائی ہے۔ فرمایا:

وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

یعنی جو شخص حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اس سے مفہوم ہوا کہ صاحب شح کو فلاح نہیں یعنی اس کو نور نہیں اور فلاح نور کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حال میں فرمایا۔

اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۝

یعنی وہ لوگ جو مال پر حریص ہیں یہ لوگ ایمان نہیں لائے پس اکارت کر دیئے اللہ نے ان کے کام۔

اور فرمایا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ اِلٰى قَوْلِهٖ مُعْرِضُوْنَ ۝

اور فرمایا: وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۝

یعنی جو بخل کرتا ہے وہ حقیقت میں اپنے سے بخل کرتا ہے۔

کیونکہ نفع انفاق کا اسی کو ملتا تھا۔ (یعنی اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کیا کرتا تو خود ہی اس کا فائدہ اٹھاتا، خرچ نہ کر کے اپنا ہی نقصان کیا)۔

بخل کی قسمیں اور تعریفات

لفظ حرص و بخل تین قسم پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

اول قسم: یہ ہے کہ اپنے مال کو واجبات میں خرچ کرنے سے بخل کرے۔

دوسری قسم: یہ ہے کہ مال میں ایسی جگہ خرچ کرنے سے بخل کرے جہاں لوگوں پر خرچ کرنا واجب نہیں۔

تیسری قسم: یہ ہے کہ اپنی جان کو اللہ کے لیے خرچ کرنے میں بخل کرے۔ سو قسم اول بخل کی یہ ہے کہ بخل کرکے زکوٰۃ نہ دے، حالانکہ اس کا حکم ہے۔ یا کوئی ایسا حق جو تجھ پر متعین ہو گیا ادا نہ کرے۔ مثلاً ماں باپ کو دینا جب وہ محتاج ہوں، اولاد کو دینا جب وہ محتاج ہوں یا نابالغ ہوں، بیوی کو دینا۔ غرض جو حق تجھ پر اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے اس سے کوتاہی کرنا۔ زبان ملامت کو تجھ پر کشادہ کرے گا اور تو مستحق عقوبت ہوگا اور اسی باب میں یہ آیت آئی ہے۔ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ.

۲ **قولہ عذاب الیم۔** علماء نے فرمایا ہے کہ کنز اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ نہ دی جائے۔ جب زکوٰۃ دے دی کنز نہ رہا۔ مطلب یہ ہے کہ اس وعید میں داخل نہ ہوگا اور اس پر ملامت کی زبان نہ کھولی جائے گی۔

دوسری قسم بخل کرنا ایسی چیز خرچ کرنے سے جس کے ساتھ وجوب متعلق نہیں جیسے ایک شخص نے مال کی زکوٰۃ تو نکالی مگر اس کے بعد پھر کچھ خرچ نہیں کیا۔ اور اس شخص نے اگرچہ حکم خداوندی کی تعمیل کی کہ جو واجب تھا نکال کر دے دیا مگر صرف اس پر بس کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ صرف واجبات پر کفایت کرنا اور نفل خیرات کو ترک کرنا یہ کم ہمت لوگوں کا کام ہے۔ سو جو شخص مومن ہونا حال اللہ کے ساتھ درست کرنا چاہتا ہو اس کو زیبا نہیں کہ جو چیز اس پر اللہ نے واجب کی اس میں اللہ کے ساتھ بالکل معاملہ نہ رکھے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس کی حالت اس شخص کی سی ہے کہ فرائض تو پڑھتا ہے مگر سنن نہیں بجا لاتا اور اے شخص! تجھ کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد جو حدیث قدسی میں وارد ہوا کافی ہے کہ:

ماتقربون بمثل اداء ماافترضت عليهم ولا يزال يتقرب الي بالنوافل حتى احبه فاذا احببته كنت له سمعا وبصرا ولسانا وقلبا وعقلا ويدا ومويدا.

قرب ڈھونڈنے والوں کو میرے ساتھ کسی شے سے ایسا قرب نہیں حاصل ہوتا جیسا کہ ادائے فرض سے ہوتا ہے اور ہمیشہ میرا بندہ نوافل سے میرا قرب ڈھونڈتا رہتا ہے

سے تعجب فرماتا ہے جو زنجیروں میں باندھ کر جنت میں بھیجے جاتے ہیں۔

نوافل کی حکمت

جان تو اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے کہ ہم نے واجبات کو غور کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے جتنی عبادتیں واجب کی ہیں۔ انہیں کی جنس سے کچھ نفل بھی مقرر کئے ہیں تا کہ اس نفل سے اس خلل کا تدارک ہو جائے جو ادائے واجب میں مکلّف سے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ اول بندے کی فرض نماز کو دیکھا جائے گا اگر اس میں کچھ نقصان ہوا تو نوافل سے اس کی تکمیل کر دی جائے گی۔ اس کی خوب سمجھ لے اللہ تجھ پر رحم فرمائے اور صرف اسی عمل پر اکتفا مت کر جو اللہ نے تجھ پر فرض کیا ہے۔ بلکہ تجھ میں ایک مستعد کرنے والی محبت بھی ہونی چاہیے جو اس امر پر تیرے متوجہ ہونے کا باعث ہو کہ اللہ نے جو چیز تجھ پر واجب نہیں فرمائی اس میں بھی اللہ سے معاملہ ہونا چاہیے اور اگر بندے اپنی میزان عمل میں صرف واجبات کے کرنے اور حرام کے چھوڑنے کا ثواب دیکھیں تو ان کو اس قدر خیر و منت میسر ہو جائے گی جس کو کوئی گننے والا گن نہیں سکتا اور اندازہ کرنے والا اندازہ نہیں کر سکتا۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں کیلئے دروازۂ معاملہ کا کشادہ فرمایا اور اسباب وصال کو بیان کر دیا۔

فرائض کیلئے وقت کی قید کیوں ہے؟: جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کو معلوم ہے کہ میرے بندوں میں کم ہمت بھی ہیں اور ہمت والے بھی، اس لئے واجبات کو واجب کیا اور حرام کو بیان کیا۔ جو کم ہمت تھے انہوں نے صرف ادائے واجبات اور ترک محرمات پر بس کیا اور ان کے دلوں میں غلبہ محبت اور شیفتگی نہیں ہے جو ان کو باعث ہو کہ بغیر واجب کئے بھی معاملہ کریں سو ان کی مثال اس غلام کی سی ہے جس کا حال مالک کو معلوم ہے کہ اگر اس پر خراج مقرر نہ کروں گا تو یہ کچھ نہ لائے گا۔ اسی لئے حق تعالیٰ سبحانہٗ نے امور کو موقت فرمایا (فرائض کو وقتوں پر مقرر کیا) اور اعمال عبودیت کو

مقرر کیا اور طلوع و غروب اور زوال اور سایہ کے برابر ہو جانے سے نماز کے اوقات
بتلائے اور نقد اور تجارت اور مویشی میں جو مال بڑھتا ہے اس میں سال گزرنے پر
مقرر کیا اور کھیتی میں جب پیداوار ہو جیسا فرمایا: واتوا حقه یوم حصاده (کھیتی کا
حق کاٹنے کے دن دو) اور حج و عشرہ ذی الحجہ میں مقرر کیا اور روزے ماہ رمضان میں
ٹھہرائے۔ پس ان اعمال کو معین کیا ان کا وقت مقرر کیا اور ان سے جو وقت بچے اس
میں حظوظ بشریہ (دنیاوی ضرورتیں) اور تمام اسباب کیلئے فرصت دی اور جو باطن
وقت ہیں ان کو اللہ کی طرف کی توجہ سے انہوں نے تمام اوقات کو ایک وقت کر دیا اور
تمام عمر کو اللہ کی طرف قصد کرنے کا راستہ بنایا اور جان لیا کہ سارا وقت اسی کا ہے۔
اس کا کچھ حصہ بھی غیر کیلئے نہیں ٹھہرایا۔

شیخ کا بتایا ہوا وظیفہ: اسی لئے شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے کہ بس ایک وظیفہ اختیار
کرلو اور وہ ترک کرنا ہے خواہش نفسانی کا اور محبت کرنا مالک سے پھر محبت کی محبت
کو بجز اطاعت محبوب کے کوئی کام ہی نہ کرنے دے گی اور وہ لوگ جانتے ہیں کہ
ہمارے نفس میں حق تعالیٰ کی امانتیں اور ودیعتیں ہمارے پاس ہیں۔ وہ یقین رکھتے
ہیں کہ ان کے نگاہ رکھنے کا مطالبہ ہم سے کیا جائے گا۔ پس انہوں نے اپنی ہمتیں
اسی کی طرف متوجہ کر دیں اور جیسا کہ اللہ کی ربوبیت دائم (ہمیشہ) ہے۔ اسی طرح
تجھ پر حقوق ربوبیت بھی دائم ہیں اور اس کی ربوبیت جیسے کسی وقت کے ساتھ مخصوص
نہیں اس کے حقوق ربوبیت بھی ایسے ہی ہونے چاہئیں۔

شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ ہر وقت کیلئے عبودیت کا ایک حصہ ہے جس کا تقاضا
حق تعالیٰ تجھ سے بحکم ربوبیت فرماتا ہے۔ اب ہم کو لازم ہے کہ کلام کی باگ روک
لیں تا کہ مقصود کتاب سے علیحدہ نہ ہو جائیں۔

تیسری قسم سخاوت کی وہ جان دینا ہے راہ مولیٰ میں یہ سب اقسام میں افضل
ہے اور دوسری قسمیں سخاوت کی اسی کے حاصل کرنے کیلئے ہیں۔ پس جو شخص
اللہ کے ساتھ واجب میں وسعت نہیں کرتا کبھی غیر واجب خیرات میں دریغ کرتا ہے

اور جو غیر واجب میں دریغ نہیں کرتا بھی جان دینے میں دریغ کرتا ہے اور اس کے خرچ کرنے میں تنگی نہیں ہوتا کیونکہ جان کی سخاوت کرتا اور اس کو خرچ کرتا یا خرق صدیقین اور حالت اہل یقین سے ہے جن کو اللہ کی معرفت ہوگئی، انہوں نے اپنی جانیں دے ڈالیں کیونکہ ان کو یقین ہے کہ غلام مالک کے آگے کسی شے کا مالک نہیں ہوتا اور جب جان کی سخاوت سب اقسام میں کامل تر ہے تو اس کا بخل بھی سب سے بدتر ہوگا۔ اس بیان سے شیخ کے اس قول کے معنی واضح ہو گئے کہ ہم کو حرص و بخل سے بعد حصول رزق کے بچا اور یہ اشارۃً و اجمالاً بیان ہوا ہے نہ تفصیلاً۔ کیونکہ کتاب اس مضمون کیلئے نہیں بنائی گئی۔

<u>مضمون اصلی شروع:</u> تیسری قسم ان عوارض کی جو مقدمہ رزق میں پیش آتے ہیں کیونکہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ عوارض جو مقدمہ رزق میں پیش آتے ہیں وہ تین طرح کے ہیں۔ ایک قبل الحصول، دوسرے بعد الحصول ان دونوں کا ذکر تو کلام شیخ میں ہو چکا اور ہم نے اس کو خوب بیان کر دیا۔ یہ تیسری قسم وہ عوارض ہیں جو بعد حصول اور ختم ہو جانے رزق کے پیش آتے ہیں۔ یعنی افسوس ہونا، پچھتانا، ہمیشہ اس کا فکر لگا رہنا۔ سو اس سے بھی پاک ہونا چاہیے اور یہ ارشاد خداوندی ہے۔

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ

یعنی تاکہ نہ مغموم ہو تم اس چیز پر جو تم سے جاتی رہے اور نہ اتراؤ اس پر جو تم کو دے۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک صاحبزادی کا بچہ انتقال کر گیا۔ آپ نے فرمایا: یعنی قاصد سے کہ ان کو یہ بات بتلا دو کہ اللہ ہی کا تھا جو لے لیا اور اللہ ہی کا ہے جو دے رکھا ہے اور جو شخص بجز اللہ کے کسی چیز کے نہ ملنے پر افسوس کرے وہ باواز بلند اپنی جہالت اور خدا سے دوری کی خبر دے رہا ہے۔ کیونکہ اگر اللہ کو پاتا تو ما سوا کو نہ ڈھونڈھتا نہ پھرتا پس جو شخص اللہ کو پا لیتا ہے پھر وہ کسی شے کو نہیں پاتا کہ اس کو طلب کرے اور بندے کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو چیز اس کے ہاتھ نہیں آئی وہ اس کا حصہ نہ تھی یا کوئی چیز اس کے پاس تھی اور گم ہو گئی وہ اس کا حق نہ تھی۔ کیونکہ وہ اگر اس کا رزق ہوتا تو

دوسرے کے پاس نہ جاتا بلکہ اسی کے پاس رہتی تھی جس نے عاریۃً دی تھی اس
نے لے لی اور جس نے ایجاد کیا تھا اس نے واپس کر لی۔

نکاح کا ایک قصہ: کسی شخص کی ایک چچازاد بہن تھی بچپن سے اس سے نامزد تھی
جب یہ شخص بڑا ہوا ایسے سفر پیش آگئے کہ اس سے نکاح نہ ہوا اس لڑکی کا اور کسی
سے نکاح ہو گیا۔ ایک سمجھدار آدمی اس کے پاس آیا اور کہا کہ جس شخص نے تیری چچا
زاد بہن سے نکاح کیا تجھ کو مناسب ہے کہ اس سے جا کر معذرت کرے کیونکہ تو اس
لڑکی کو لینا چاہتا تھا اور وہ تب بھی اس کی زوجہ تھی۔

ف یعنی یہ معذرت کرے کہ میں نے تمہارے حق لینے کا ارادہ کیا تھا لاعلمی میں
مجھ سے یہ خطا ہوئی اب تم معاف کر دو اور کدورت نہ رکھو۔ اور ایسا عذر کرنے کی مضمون
میں فوت ہوئی چیز پر افسوس نہ ہو یہ آیت کافی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ
خَيْرُ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ٥

یعنی بعض آدمی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے پھر اگر کوئی مال مل گیا
تو اس میں مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر کوئی آزمائش آئی تو منہ لوٹ جاتا ہے۔ ایسا
گیا یہ شخص دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یہ خسارہ ہوا۔

حق تعالیٰ نے اس شخص کی مذمت فرمائی جو چیز کے ملنے کے وقت اس سے
مانوس ہو جاتا ہے دیکھو کس طرح فرمایا: فان اصابه خير اطمأن به۔ یعنی اس مال
پر ایسا جم کر بیٹھا ہے اس کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہی چیز ہے وہ ملنے لگا تو اس
صرف اللہ ہی کے ساتھ اس کا دل لگتا۔ اسی طرح اس شخص کو بھی مذمت فرمائی جو ان
چیزوں کے گم ہو جانے کے وقت مغموم ہو، کیونکہ فرمایا: وان اصابته فتنة اور فتنے
کی تفسیر ہے اس مرغوب چیز کا گم ہو جانا جس سے دل لگا تھا۔ انقلب على وجهه
یعنی اس کی عقل گم ہو جاتی ہے اور نفس حیران ہو جاتا ہے، قلب غافل ہو جاتا ہے اور یہ

صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ کی معرفت اس کو نصیب نہیں اور اگر اللہ کو پہچانتا تو اس کا موجود ہونا تمام موجودات سے بے پرواہ کر دیتا اور اس کے باعث ہر مفقود سے مستغنی ہو جاتا۔

معرفت الٰہیہ: جس نے اللہ کو پالیا اس نے کچھ بھی نہ کھویا اور جس نے اللہ کو نہ پایا اس نے کسی چیز کو نہیں پایا اور جس شخص نے اسکی ذات کو پالیا جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اس کو فکر نہیں کہ اس نے کسی چیز کو گم کیا ہے۔ اور جس نے موجد اشیا کو پالیا اس کو کیسے غم ہو کہ اس نے کسی چیز کو گم کیا ہے اور جس نے اسکی ذات کو پالیا جو ہر چیز میں جلوہ گر ہے اس کو کیسے غم ہو کہ اس کی کوئی چیز گم ہو گئی۔ پس ما سوا اللہ اہل معرفت کے نزدیک یافت و نایافت (موجود پانے یا نہ ہونے کا خیال) کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا جیسے کہ اس کے آگے کوئی موجود نہیں کیونکہ اس کی احدیت ثابت ہے اسی طرح کوئی چیز مفقود بھی نہیں کیونکہ مفقود وہ چیز ہوتی ہے جو پہلے موجود ہوتی ہو اور اگر حجاب درمیان ہٹ جائے ...... تو معائنہ ہو جائے کہ اشیاء معدوم موجود نہیں اور نور یقین چمک اٹھے اور وجود کائنات کو ڈھانپ لے اور جب تو اس کو سمجھ چکا تو تجھ کو لازم ہے کہ کسی چیز کے گم ہونے پر غم مت کر اور کسی شے کے موجود ہونے کی طرف نظر مت کر کیونکہ جو شخص ایسا ہو کہ چیز پائے تو میلان کرے اور نہ پائے تو مغموم ہو۔ اس نے ثابت کر دیا کہ وہ اس چیز کا بندہ ہے جس کے ہونے نے اس کو خوش اور گم ہونے نے غمگین کیا ہے اور اس مقام میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

تعس عبد الدينار تعس عبد الدرهم تعس عبد الخميصة تعس
وانتكس وإذا شيك فلا انتقش

ہلاک ہو جائے بندہ دینار کا، ہلاک ہو جائے بندہ درہم کا، ہلاک ہو جائے بندہ کملی کا، ہلاک ہو جائے اور سرنگوں ہو جائے اور اگر اس کے کانٹا لگے تو نکالنا نصیب نہ ہو۔

سو تجھے دل میں بجز اللہ کی محبت اور دوستی کے کسی چیز کو جگہ مت دے کیونکہ

ہے اور نہ موت میں لوگوں کے حال معلوم ہوتے ہیں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو گمان کرتے ہیں کہ ہمارا غنا اللہ کے ساتھ ہے۔ حالانکہ ان کا غنا اسباب سے اور طرق اکتساب سے ہے اور بہت سے لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم کو اپنے رب سے انس ہے اور حالانکہ ان کا انس اپنے حال سے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حال جاتا رہنے سے انس بھی جاتا رہتا ہے۔ پس اگر رب سے انس ہوتا تو وہ تو دائم و باقی ہے انس بھی دائم و باقی رہتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ دنیا کا تو یہ نقصان ہوا کہ مراد دنیاوی حاصل نہ ہوئی اور آخرت کا اسلئے نقصان ہوا کہ اس کیلئے عمل نہیں کیا۔ سو جو اس کا مطلوب تھا جاتا رہا، اور اس نے ہم کو تو طلب کیا نہ تھا کہ ہم اس کے ہو جاتے، خوب سمجھ لو۔

اللہ کے مقابلہ میں تدبیر کرنے والوں کی مثالیں

اور خدا کی بندگی کرنے کی عقلی دلیلیں

اس فصل میں مثالیں ذکر کریں گے اللہ کے آگے تدبیر چلانے کی، اور تدبیر چلانے والوں کی، اور مثالیں رزق کی اور اللہ تعالیٰ کے کفیل ہونے کی۔ کیونکہ مثال سے خوب حال کھلتا ہے۔

مثال نمبر ۱: جو اللہ کے آگے تدبیر چلائے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے سمندر کے کنارے پر مکان بنایا ہو وہ جس قدر عمارت میں کوشش کرتا ہے موجیں بڑھتی چلی جاتی ہیں اس کے سارے حیلے رخصت ہوتے جاتے ہیں۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو اللہ کے آگے تدبیر کرتا ہے کہ وہ تو تدبیر کی عمارتیں تیار کرتا ہے اور تقدیر آ کر اس کو گرا دیتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ بندہ تدبیر کرتا ہے اور تقدیر ہنستی ہے اور شاعر نے کہا ہے۔

عمارت کب وہ پوری ہو کہ تو جس کو بناتا ہو   مگر ہو دوسرا اس جا کہ جو اس کو گراتا ہو

مثال نمبر ۲: مدبر کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص ریت کے ڈھیر میں اگر اس پر

مکان بیٹھے آندھی جو آئی سب ریگ تو گئے جو بنایا تھا وہ گر گیا جیسا کہ کہا گیا ہے۔

مست گئے گھر ان کے کل کر ریگ میں   کب رہے قائم جو ہو گھر ریگ میں

مثال نمبر ۳: تدبیر کی ایک مثال ہے جیسے ایک لڑکا اپنے والد کے ساتھ سفر کرے اور دونوں رات کو چلیں اور باپ چونکہ اپنے لڑکے پر نہایت درجہ کا شفیق ہے وہ لڑکے کی بے خبری میں دیکھ بھال کر رہا ہے، مگر لڑکا بوجہ حائل ہونے تاریکی کے باپ کو نہیں دیکھتا۔ اس لئے وہ لڑکا اپنی فکر میں جلتا ہے کہ کس طرح کرے، یکایک چاند نکل آیا اور باپ کو دیکھا کہ پاس ہے اس کا جی ٹھہر گیا اور دل کو سکون ہو گیا، چونکہ اپنے باپ کو پاس دیکھا اس وقت باپ کی تدبیر پر اپنی تدبیر سے مستغنی ہو گیا ایسا ہی جو شخص اپنے لئے تدبیر کرتا ہے وہ اس لئے تدبیر کر رہا ہے کہ شب دوری میں جلتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا قرب معلوم نہیں۔ اگر ماہتاب توحید یا آفتاب معرفت طلوع کرے تو اللہ کا قرب مشاہدہ کرے پھر تدبیر کرتا ہوا شرمائے اور اللہ کی تدبیر پر اپنی تدبیر سے مستغنی ہو جائے۔

مثال نمبر ۴: تدبیر ایک درخت ہے، پانی اس کا بدگمانی ہے، پھل اس کا اللہ سے دوری ہے، کیونکہ اگر بندے کو اپنے رب سے حسن ظن ہوتا تو درخت تدبیر بوجہ اس کی غذا موقوف ہو جانے کے اس کے قلب میں خشک ہو جاتا اور اس کا پھل اللہ سے دوری اس لئے ہے کہ جو شخص اپنے لئے تدبیر کرتا ہے وہ اپنی عقل پر اکتفا کرتا ہے اور اپنی تدبیر پر راضی ہوتا ہے اور اپنی ہستی پر حوالہ کرتا ہے، اس کی سزا یہ ہے کہ اسی پر حوالہ کر دیا جائے اور منت الہیہ کو اس کے پاس نہ جانے دیا جائے۔

مثال نمبر ۵: تدبیر کی یہ مثال ہے جیسے کسی غلام کو اس کے مالک نے ایک شہر میں واسطے درستی کسی متاع (کام کرنے) کے بھیجا، وہ غلام اس شہر میں گیا اور کہنے لگا میں کہاں رہوں، کس سے شادی کروں، غرض وہ اسی میں لگا رہا اور اپنی ہمت کو اسی لئے صرف کر دیا اور جو مالک نے حکم دیا تھا اس کو نہ مانا۔ جب وہ مالک اس کو اپنے پاس بلائے گا تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو دوری اور مجبوری کا مزہ چکھائے۔ کیونکہ وہ

اپنے بکھیڑوں میں مالک کے حق سے غافل ہو گیا۔

پس اے مومن! ایسا ہی تیرا حال ہے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اس دنیا میں بھیجا اور اپنی خدمت کا حکم دیا اور تیرے لئے تدبیر کا سرانجام کیا اگر تو اپنی تدبیر میں لگ کر اپنے مالک کے حق سے غافل ہو گیا تو طریق ہدایت سے تو نے روگردانی کی اور ہلاکی کی راہ چلا۔

مثال نمبر ۶: مدبر اور غیر مدبر کی ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ کے دو غلام ہوں ایک تو اپنے آقا کے احکام میں لگا رہے۔ کھانے پینے کی طرف التفات نہ کرے اس کی بڑی فکر آقا کی خدمت گزاری ہو۔ اس امر نے اس غلام کو اس کے حظوظ وضروریات کی فرصت سے غافل کر رکھا ہو اور ایک دوسرا غلام ہے جب اس کو آقا بلاتا ہے کبھی اپنے کپڑے دھو رہا ہے۔ کبھی اپنے جانوروں کو مل دل رہا ہے، کبھی اپنا بناؤ سنگار کر رہا ہے۔ سو پہلا غلام عنایت آقا کا زیادہ مستحق ہے بہ نسبت دوسرے غلام کے، جو کہ اپنے حظوظ وضروریات لگ کر آقا کے حقوق سے غافل ہے اور غلام کو اس لئے خریدا جاتا ہے کہ آقا کی خدمت کرے نہ کہ ہر وقت اپنے کام میں لگا رہے، ایسا ہی حال بندۂ دانا کا ہے، اس کو ہمیشہ اسی حال میں دیکھو گے کہ اپنے نفس کے مرغوبات اور مہمات (ضروری اور من پسند کاموں) کو چھوڑ کر اللہ کے حقوق اور احکام کی نگہداشت میں لگا رہتا ہے، جب اس کا یہ حال ہوگا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے سارے کام بنا دے گا اور اس کی طرف اپنی اعطائے جزیل سے متوجہ ہوگا، کیونکہ وہ توکل میں صادق ہے اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کو کافی ہوتا ہے اور غافل کا یہ حال نہیں بلکہ اس کو جب دیکھو گے اپنے دنیا کے اسباب حاصل کر رہا ہوگا، اپنی خواہش نفسانی کے ذریعے جمع کر رہا ہوگا اپنے نفس کی تدبیر کر رہا ہوگا اور اسی پر حوالہ کر دیا گیا ہے خوبی یقین وصدق توکل سے دور پڑا ہے۔

مثال نمبر ۷: مدبر کی ایسی مثال ہے جیسا پھیلا ہوا سایہ کہ جب کہ آفتاب برابر نہیں ہوتا اور جب آفتاب ٹھیک سر پر آ جاتا ہے تو وہ سایہ فنا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ

یوں ہی سایہ ایک نشان رہ جاتا ہے کہ استواء کے وقت محو نہیں ہوتا۔ یہی حال ہے آفتاب معرفت کا جب قلوب کے مقابل آتا ہے، وجود تدبیر کو محو کر دیتا ہے۔ البتہ کچھ تدبیر بندے کی اس لئے رہ جاتی ہے کہ اس پر احکام شرعی جاری ہو سکیں۔

مثال نمبر ۸: مدبر کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے کوئی گھر یا کوئی غلام فروخت کیا پھر جب سودا پورا ہو چکا تو بائع مشتری (بیچنے والا، خریدنے والا) کے پاس آیا اور کہا کہ اس میں کوئی مکان مت بنانا یا فلاں کوٹھری اس کی گرا دینا اس میں فلاں بات کرنا یا خود بائع ان کاموں کو کرنے چلا۔ پس اس سے کہا جائے گا کہ تو تو فروخت کر چکا ہے۔ اب فروخت کرنے کے بعد مبیع میں تیرا تصرف نہیں رہا، (جو چیز بیچ دی گئی اب اس پر بیچنے والے کا کوئی اختیار نہیں رہا)۔ کیونکہ بیچ کرنے کے بعد منازعت نامعقول ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اس نے سب مسلمانوں کی جانیں اور اموال بعوض جنت کے خرید ے ہیں۔ سو مومن پر لازم ہے کہ اپنے اور اپنے تمام کی چیز کو اللہ کے سپرد کر دے۔ کیونکہ اسی نے پیدا کیا اور اسی نے خرید لیا اور سوچنے کو یہ بات لازم ہے کہ جو چیز سونپ دے اس کی تدبیر ترک کر دے۔

رہ گیا رزق سو بندے کی رزق کی مثال دنیا میں ایسی ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلام سے کہے اس گھر میں فلاں کام میں لگا رہ، سو یہ نہیں ہو سکتا کہ کام کرنے کا حکم تو دے اور کھانے پینے پہننے کی خبر نہ لے اور اس کی کفایت و رعایت کا سر انجام نہ کرے اسی طرح بندے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اطاعت و بجا آوری احکام کا حکم فرمایا ہے اور اس کی روزی کا کفیل ہو گیا۔ سو بندے کو خدمت کرنا چاہیے، مالک اپنی عنایت سے اس کا خبر گیراں ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے: وَأْمُرْ أَهْلَكَ ...... الیٰ...... لِلتَّقْوىٰ اور اس کا بیان اوپر گزر چکا۔

مثال نمبر ۹: بندے کی مثال دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا بچہ اپنی ماں کے ساتھ، ماں کبھی بچے کو اپنی کفالت سے نہیں چھوڑتی اور رعایت سے نہیں نکالتی، ایسے ہی اللہ تعالیٰ مومن کی کفالت فرماتا ہے اور اس کو نعمتیں بھیجتا ہے اور نعمتیں

وضع کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کو دیکھا جس کے پاس بچہ تھا۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ یہ اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ماں اپنے بچے پر جس قدر مہربان ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندے مومن پر اس سے زیادہ مہربان ہے۔

مثال نمبر ۱۰: بندے کی مثال دنیا میں ایسی ہے جیسا ایک غلام ہو اس کو مالک نے حکم کیا کہ فلاں جگہ جا اور اپنا کام پکا کر لے، کیونکہ یہاں سے فلاں طرف کو تجھے سفر کرنا ہے اور اپنا ساز و سامان لے لے۔ جب مالک نے اس کو یہ اجازت دے دی تو یقینی بات ہے کہ اس کیلئے مباح کر دیا کہ جس چیز سے اپنی ترکیب جسمانی قائم رکھنے میں مدد ملے اس کو کھائے پیے تاکہ ساز و سامان کے صحیح کرنے میں سعی و اہتمام کر سکے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے بندے کو اس دنیا میں پیدا کیا اور حکم فرمایا کہ یہاں سے سفر آخرت کیلئے توشہ لے لے چنانچہ ارشاد ہوا۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ٥

یعنی توشہ لو، بس سب سے اچھا توشہ تقویٰ ہے۔

پس معلوم ہو گیا کہ جب آخرت کیلئے توشہ لینے کا حکم فرمایا تو دنیا سے ایسی چیزوں کا لینا مباح کر دیا جن سے توشے کے جمع کرنے اور سفر کیلئے آمادہ ہونے اور آخرت کیلئے سامان درست کرنے میں مدد پہنچے۔

مثال نمبر ۱۱: بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی مالک نے کہ اس کے پاس ایک باغ ہے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس باغ میں درخت لگا دے۔ زراعت کرے اور اس کی درستی کا اہتمام کرے سو اگر یہ غلام حکم پاتے ہی مالک کے حکم کو بجا لایا اور کسی ساعت باغ سے جدا نہیں ہوا۔ سو اگر یہ غلام اس باغ میں سے کچھ کھا پی لے تو مالک ملامت کرے گا تا اس کھانے سے منع کرے گا کیونکہ جب اس سے کھائے گا تو اس میں محنت بھی کرے گا، لیکن اس غلام کو چاہیے کہ اتنی قدر کھائے جس سے کاروبار میں سہارا لگے لذت اور خواہش کیلئے نہ کھائے۔

مثال نمبر ۱۲: بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی شخص نے
بہت بڑا باغ لگایا اور بہت بڑا مکان بنایا کسی نے پوچھا کہ کس کیلئے یہ سامان کیا ہے؟
اس نے کہا اپنے لڑکے کیلئے کیا ہے جس کے پیدا ہونے کی امید ہے۔ سو اس نے
بوجہ محبت کے لڑکے کی ضرورت کی چیزیں اس کے پیدا ہونے کے پہلے مہیا کر دیں۔
کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ جب اس کے ہونے سے پہلے سب کچھ تیار کر رکھا ہے کیا
اس کے ہونے کے بعد اس کو نہ دے گا۔ اسی طرح بندے کی حالت اللہ تعالیٰ کے
ساتھ ہے کہ بندے کے پیدا ہونے سے پہلے دنیا میں نعمت مہیا کر رکھی ہے
اگر تم ہو تو نعمت تیرے ہونے سے پہلے ہو چکی ہے کیا تجھ کو علم نہیں کہ اس کی اعطا
تیرے وجود سے پہلے اور اس کی نعمت تیرے ظہور سے پہلے ہو چکی ہے۔ کیونکہ
اللہ تعالیٰ ازل میں عطا فرما چکا ہے قبل اس کے کہ بندہ موجود ہو اور اس کا کچھ عمل
وقوع میں آئے سو جو چیز اللہ نے ازل میں تیری قسمت میں لکھ دی ہے اور تیرے
لئے جمع کر دی ہے اس سے تجھ کو محروم نہ کرے گا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہونے سے پہلے
مہیا کر رکھے اور ہونے کے بعد نہ دے؟

مثال نمبر ۱۳: بندہ کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا بادشاہ کسی نوکر کو
اپنے گھر لایا اور حکم دیا کہ فلاں کام کرو سو یہ نہیں ہو سکتا کہ بادشاہ نوکر کو لائے اور اس
سے اس گھر میں کام لے اور بے کھلائے اس کو چھوڑ دے۔ کیونکہ بادشاہ کی شان اس
سے بلند ہے۔ ایسا ہی بندے کا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ سو دنیا تو اللہ کا گھر ہے
اور تو نوکر ہے اور کام اطاعت کرنا ہے اور اجرت جنت ہے۔ سو ایسا نہیں ہو سکتا کہ
اللہ تعالیٰ تجھ کو کام کرنے کو فرمائے پھر تیرے پاس وہ سامان نہ بھیجے جس سے تو مدد
لے سکے۔

مثال نمبر ۱۴: بندے کی مثال اللہ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایک بادشاہ کریم
کے گھر مہمان ہو سو اس مہمان کو سزاوار نہیں کہ اپنے کھانے پینے کی فکر کرے
کیونکہ اگر ایسا کیا تو بادشاہ پر تہمت دھرتا ہے اور یہ مضمون شیخ ابو مدینؒ کا مقولہ ہے

گزر چکا ہے۔ اسی طرح دنیا اللہ کا گھر ہے اور اس میں جو لوگ ہیں وہ اس کے مہمان ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کی زبانی بندوں کو تو مہمان داری کا حکم فرمادے اور خود مہمان کی خبر نہ لے، سو جو شخص دنیا میں اپنے کھانے پینے کی دھن میں ہے وہ بادشاہ حقیقی کی نظر میں مبغوض (ناگوار) ہے۔ کیونکہ اگر اس کو اللہ میں شک نہ ہوتا تو اپنے کھانے پینے کی کیوں فکر کرتا؟

مثال نمبر 15: بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک غلام کو بادشاہ نے حکم دیا کہ فلاں جگہ جا کر رہے اور اس جگہ جو غنیم (دشمن) ہے اس سے لڑے اور اپنی ہمت اس کے مقابلہ میں صرف کرے اور اس کے مقابلہ میں ہمیشہ لگا رہے، سو یقینی بات ہے کہ جب بادشاہ نے اس کو یہ حکم دیا ہے تو اس کیلئے یہ بھی مباح کر دیا ہے کہ اس شہر کے تحائف اور خزائن سے امانت داری کے ساتھ کھایا کرے تا کہ جس کے مقابلہ کا حکم بادشاہ نے دیا ہے اس کے مقابلہ میں قوت حاصل کرے۔ اسی طرح بندوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ شیطان سے لڑیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ.

یعنی اللہ کی راہ میں خوب مجاہدہ کرو جیسا مجاہدہ کا حق ہے۔

اور فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا.

یعنی بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو اس کو دشمن ہی سمجھو۔

پس جب بندوں کو شیطان سے لڑنے کا حکم دیا تو اس کی بھی اجازت دے دی کہ اس کی نعمتوں سے اس قدر کھا لیں جس سے مجاہدہ پر شیطان (شیطان کے مقابلے) میں قوت حاصل کریں۔ کیونکہ اگر کھانا پینا چھوڑ دیں گے تو طاعت کا بجالانا اور خدمت میں آمادہ ہونا ممکن نہ ہوگا، سو بادشاہ کا مجاہدہ کیلئے حکم فرمانا اس کو بھی شامل ہے کہ جتنی چیزیں بادشاہ کی کھانے کی ہیں جن کو تم نے تیار کر رکھا ہے اس کا برتنا مباح ہے لیکن بطریق امانت و حفاظت حقوق کے بعد۔ یعنی کسی اور کا حق نہ کھائے۔

مثال نمبر ۱۶: بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا کسی شخص نے ایک
درخت لگایا اس ارادہ سے کہ یہ بڑھے اس کی جڑ پھیلے سو درخت کو اگر علم ہو تو وہ خود
جان سکتا ہے ورنہ ہم اس کی نسبت یقیناً جانتے ہیں کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو لگائے
اور پانی نہ دے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کو تو شوق ہے کہ اس کی جڑ مضبوط ہو، یہ بڑا
ہو۔ اسی طرح اے شخص تو درخت ہے، اللہ تعالیٰ تیرا بونے والا اور ہر دم سینچنے والا
ہے۔ تیری غذا پہنچانے کا سامان کرنے والا ہے تو اس پر یہ بدگمانی مت کر کہ تیرے
درخت وجود کو بوئے اور بونے کے بعد پانی نہ دے۔ کیونکہ وہ غافل نہیں۔

مثال نمبر ۱۷: بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک بادشاہ نے
جس کے بہت سے غلام ہیں ایک گھر بہت عمدہ بنایا اور اس کو خوب سجایا اور اس میں
باغ اور اس میں جمیع مرغوبات (تمام بہترین اور عمدہ چیزیں) پورے طور سے رکھے،
مگر ابھی یہ غلام دوسری جگہ ہیں اور بادشاہ کو منظور ہے کہ ان کو اس گھر میں لائے کیا
گمان کر سکتے ہو کہ یہ بادشاہ جس کی نظر میں اس قدر ذخیرہ اور سامان کے علت
تمامی (بنانے اور تیار کرنے کی وجہ) یہی غلام ہیں، وہ ان لوگوں کو ان لوگوں کی معمولی
جگہ میں اپنی نعمت اور فضلۂ طعام (بچا ہوا خراب کھانا) سے منع کرے گا، اسی طرح
سے بندوں کی حالت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے ان کو دنیا میں پیدا کیا اور جنت کو مہیا کیا
اور اس کو منظور ہے کہ دنیا میں سے وہ چیز برتوائے (استعمال کرائے) جس سے اس کا
وجود قائم رہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ اور
فرمایا: كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اور فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا
مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ، اور فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا
مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ سو جبکہ تیرے لئے نعمت باقی (یعنی جنت جس کو کبھی فنا
نہیں) کو ذخیرہ فرمایا اور تجھ پر اس سے احسان کیا تو فانی (دنیا کی نعمتوں) سے تجھ کو
کیوں محروم کرے گا۔ اور اگر محروم کرے تو اسی چیز سے محروم کرے گا جو تیری قسمت
میں نہیں وہ تیرا حق نہیں، سو ایسا نہ دینا بھی عطاء و شفقت ہے، اس کو معلوم ہے کہ اس

میں تیری مصلحت اور تیرے کام کی درستی ہے، جیسا درخت سے لگاتار پانی آنے کو روک دیتے ہیں تاکہ ہر وقت کا پانی اس کو تلف نہ کردے۔

مثال نمبر ۱۸: جو شخص دنیا کی فکر میں زاد آخرت سے غافل ہو جائے اس کی اس کی مثال ہے جیسے ایک شخص ہو کہ درندوں اس پر چڑھتا آتا ہے اور قریب ہے کہ اس کو پھاڑ ڈالے اور ایک مکھی بھی آ کر بیٹھ گئی یہ شخص مکھی کے ہٹانے میں لگ کر شیر سے کچھ بچاؤ نہیں کرتا، سو ایسا شخص بڑا احمق ہے، بالکل عقل کو کھوئے بیٹھا ہے، اور اگر یہ عقل کے ساتھ موصوف ہوتا تو اس کو شیر کا اور اس کے حملے کا اور اس کے چڑھے چلے آنے کا اتنا بڑا دھندا تھا کہ مکھی کے قصے میں مشغول ہونے کی فکر بھی نہیں کرسکتا۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو دنیا کی فکر میں آخرت کے توشے جمع کرنے سے غافل ہوگا۔ یہ اس کی حماقت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر صاحب فہم و عقل ہوتا تو آخرت کیلئے سامان کرتا جس کی اس سے باز پرس ہوگی وہاں کھڑا کیا جائیگا اور مقدمہ رزق کے اہتمام میں مشغول نہ ہوتا کیونکہ اس کا اہتمام کرنا آخرت کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے شیر کے سامنے مکھی۔

مثال نمبر ۱۹: بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا کہ باپ کے سامنے بچہ کہ باپ کے ہوتے ہوئے کوئی غم نہیں پالتا اور نہ افلاس سے ڈرتا ہے، کیونکہ جانتا ہے کہ باپ میرا کفیل ہے، اس کے اعتماد نے اس کی زندگی خوش کردی اور اس کا غم زائل کردیا، اسی طرح مومن کا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ وہ کچھ غم نہیں پالتا، اس کے میدان قلب میں رزق کی بابت غموم (یعنی غم و فکر کی آندھیاں) نہیں آتیں کیونکہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مہمل (بیکار) نہ چھوڑے گا اور اپنے فضل سے جدا نہ کرے گا اور اپنے جود و احسان سے محروم نہ کرے گا۔

مثال نمبر ۲۰: بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے غلام ایک غلام ہے اس کا مالک تو انگر ہو، پر ثروت اور غلاموں سے احسان کرنے کے ساتھ موصوف ہو انکار کرتا ہوا کبھی نہ دیکھا گیا ہو جود و عطا میں معروف ہو، اور غلام کو اس کے فضل پر

مالک ہے اور سائیس کو اس جانور کا خرچہ اسی دیتا ہے اور جب سائیس آتا ہے تو نظر خوشامد سے اس کو دیکھتا ہے اور شوق ظاہر کرتا ہے، کیونکہ اس کے ہاتھ سے کھانے کا خوگر ہے، بندے کی بھی یہی حالت ہے، کیونکہ جب خلقت کے ہاتھ سے احسان جاری ہوا وہ یہ ان ہی کی طرف سے مشاہدہ کرے اور ان سے گزر کر آگے اپنی نظر نہ ڈالے اس کی مثال چوپائے کی سی ہے، بلکہ چوپایے کی حالت اس سے اچھی ہے۔ جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝

مثال نمبر ۲۳: جو شخص اسباب پر کھڑا رہ جائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ تک نظر پہنچائے ان کی مثال ان دو شخصوں کی سی ہے کہ حمام میں گئے ایک تو کامل العقل ہے۔ دوسرے پر حماقت غالب ہے، یکایک پانی بند ہو گیا جو عاقل ہے اس کو معلوم ہے کہ اس پانی کا کوئی پیچھے سے پھیرنے والا ہے کہ پھیر رہا ہے اور کوئی چلانے والا ہے کہ چلا رہا ہے وہ اس کے پاس آئے گا تاکہ جس کو بند کر لیا ہے اس کو چھوڑ دے یا اور جو مرضی ہو وہ کرے اور دوسرا شخص جو ہے وہ نل کے پاس آ کر کہتا ہے: اے نل! ہمارے لئے پانی جاری کر دے، تجھ کو کیا ہوا کہ اپنا پانی بند کر دیا۔ اس سے یہی کہا جائے گا کہ تو احمق ہے اور نل کچھ کر سکتا ہے یا کچھ کر سکتا ہے، وہ تو ایک نل اور پانی کا راستہ ہے، جو اس میں جاری کیا جاتا ہے، وہ ظاہر ہوتا ہے۔

مثال نمبر ۲۴: ذخیرہ کرنے والے کی ایسی مثال ہے جیسے کسی بادشاہ کا ایک غلام ہے اس کو باغ میں مقرر کر دیا تاکہ اس کو بنائے سنوارے سو غلام کو اس باغ کے پھل میں سے اس قدر کھانا جائز ہے کہ درخت لگانے کھیتی بونے میں مدد پہنچے اور جمع کر کے رکھنا جائز نہیں کیونکہ اس باغ کا پھل ہمیشہ رہتا ہے اور اس کا مالک بھی قدرت والا ہے۔ پس اگر بغیر اجازت مالک کے اپنے لئے جمع کر کے رکھا اور مالک پر بدگمانی کی تو خائن ہوا اور جو شخص ذخیرہ نہیں رکھتا اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک غلام ہے مالک کے گھر میں یا باغ میں اور جانتا ہے کہ میرا مالک مجھ کو نہ بھولے گا اور نہ

معطل چھوڑ دے گا بلکہ میرے لئے مال خرچ کرے گا اور اپنا احسان مجھ کو پہنچائے گا، سو اپنے مالک کے باعث ذخیرہ رکھنے سے مستغنی ہوگا۔ اور اس کی تو نگری کے سبب محتاجی کی پرواہ نہ کرے گا اور اس کے سوا کسی شے پر اعتماد نہ کرے گا، ایسا غلام لائق اس کے ہے کہ اس پر توجہ کی جائے اور اعطاء سے اس کے کام پورے کئے جائیں۔

مثال نمبر ۲۵: جو شخص امانت کے طور پر ذخیرہ کرے اس کی یہی مثال ہے جیسے کسی بادشاہ کا غلام ہے کہ مالک کے آگے کوئی چیز اپنی نہیں سمجھتا اور جو کچھ اس کے پاس ہے نہ اس کے ذخیرہ کرنے پر اعتماد کرتا ہے نہ خرچ کرنے پر بلکہ وہی بات اختیار کرتا ہے جو مالک اس کیلئے پسند کرتا ہے۔ سو جب یہ سمجھے کہ مالک کو اس چیز کا رکھنا مقصود ہے، تو مالک کیلئے رکھتا ہے نہ کہ اپنے لئے یہاں تک کہ موقع صرف کا منتظر رہتا ہے۔ جب مالک کی مرضی خرچ کرنے کی سمجھتا ہے اس میں صرف کر دیتا ہے، سو اس شخص پر رکھنے میں کچھ ملامت نہیں۔ کیونکہ اس نے اپنے مالک کیلئے رکھا ہے، اپنے لئے نہیں رکھا۔ یہی حال ہے اہل معرفت کا اگر خرچ کرتے ہیں تو اللہ کیلئے اور اگر رکھتے ہیں تو اللہ کیلئے، اسی کی رضا مندی طلب کرتے ہیں، انفاق و امساک (خرچ کرنے اور جمع کرنے) سے وہی مقصود ہے۔ پس یہ لوگ امین تحویلدار اور بڑے مرتبے کے غلام اور کریم آزاد ہیں، حق تعالیٰ نے ان کو غلامیٔ مخلوق سے آزاد فرمایا ہے، پس انہوں نے مخلوق کی طرف محبت سے میلان نہیں کیا نہ مودت (محبت اور دل کے رجوع) سے متوجہ ہوئے، ان کے دلوں میں جو اللہ کی محبت و مودت بس گئی اور ان کے سینوں میں اس کی عظمت بھر گئی۔ وہ اس سے مانع ہوئی اور جو اللہ کیلئے رکھے وہ کسی طرح رتبے میں اس شخص سے کم نہیں جو اللہ کیلئے خرچ کرے۔ ان کے ہاتھ میں اشیاء کا وہی حال ہے جب ان کے پاس پہنچنے سے پہلے خزائن الٰہی میں حال تھا، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا اور ہماری ملک کا مالک ہے۔ جو اللہ کیلئے اچھی طرح رکھنا نہیں جانتا وہ اللہ کیلئے اچھی طرح خرچ کرنا بھی نہیں جانتا۔ خوب سمجھ لو۔

خدا تعالیٰ کا بندوں سے خطاب اولیاء اللہ کی زبانی

اس میں ہم اس مضمون کا ذکر کریں گے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو باتفاق حقائق کی زبانی مقدسہ رزق و تدبیر سے خطاب فرماتا ہے۔ یعنی حقائق زبان حال سے منجانب حق تعالیٰ کے بندے سے کہہ رہے ہیں۔

خطاب نمبر ۱: اے بندے! اپنے کان کو حضور دل سے میری جانب متوجہ کر میری طرف سے تجھ کو زیادہ نعمت ملے گی اور اپنے گوشِ دل کو ادھر جھکا میں تجھ سے دور نہیں ہوں۔

خطاب نمبر ۲: اے بندے! میں تیری تدبیر میں اس وقت تھا کہ تو اپنا بھی نہ تھا، سو اپنا اس طرح بن کہ اپنا نہ رہے اور میں نے تیرے ظہور سے پہلے تیری رعایت کی اور اب بھی رعایت میں ہوں۔

خطاب نمبر ۳: اے بندے! میں ایجاد و تصویر میں یکتا ہوں میں حکم و تدبیر میں یگانہ ہوں تو خلق و تصویر میں میرا شریک نہ ہوا، سو میرے حکم و تدبیر میں بھی شریک مت ہو، میں اپنے ملک کا مدبر ہوں اور میرا کوئی پشتیبان (سہارا اور مددگار) نہیں، میں اپنے حکم میں اکیلا ہوں، کسی وزیر کا محتاج نہیں۔

خطاب نمبر ۴: اے بندے! جو شخص ایجاد سے پہلے تیری تدبیر میں ہو کیا تو اس سے مزاحمت (مقصد حاصل کرنے کیلئے جھگڑا) مت کر اور جس نے خوبی و شفقت کا تجھ کو خوگر کر رکھا ہو اس کا مقابلہ دشمنی اور غصہ سے مت کر۔

خطاب نمبر ۵: اے بندے! میں نے تجھ کو اپنی خوبی و شفقت کا خوگر کر رکھا ہے تو تجھ کو میرے آگے تدبیر کو ترک کرنا ہے۔

خطاب نمبر ۶: اے بندے! کیا تجربہ کے بعد شک ہے اور بیان کے بعد حیرت ہے اور ظہور ہدایت کے بعد گمراہی ہے؟ کیا یہ اعتقاد بھی تجھ کو میرے حوالے نہیں کرتا کہ میرے سوا کوئی مدبر نہیں۔ یہ میری خیر سابق بھی (جو نعمتیں میں تجھ کو پہلے دے

چکا ہوں) تجھ کو میرے ساتھ منازعت کرنے سے بے نیاز نہیں کرتی (بچا سکے سے
نہیں روکتی)۔

<u>خطاب نمبر ۷:</u> اے بندے! میری کائنات کے ساتھ اپنی نسبت کر کے دیکھ تجھے معلوم ہوگا کہ تو مخلوق تو ان سے دوبدو بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ پھر خالق جو فانی نہیں اس کے ساتھ تو کیا نسبت رکھتا ہے؟ اور تو میرے انتظام سلطنت کو قائم کر چکا ہے اور تو بھی میری سلطنت میں داخل ہے۔ سو میری ربوبیت میں نزاع مت کر اور میرے آگے اپنی تدبیر چلا کر میری الوہیت سے مخالفت مت کر۔

<u>خطاب نمبر ۸:</u> کیا تجھ کو یہ بات کافی نہیں کہ میں تجھ کو کافی ہوں؟ کیا تجھ کو مجھ پر اس سے بھی اطمینان نہیں ہوتا کہ میرے سابق احسانات تیرے ساتھ کئی بار ہو چکے ہیں۔

(یہ نعمتیں بے طلب پہنچ رہی ہیں)

<u>خطاب نمبر ۹:</u> میں نے تجھ کو تیرا محتاج کب بنایا ہے کہ اب تو اپنے حوالے کر دیا جائے گا اور میں نے اپنے ملک کی کوئی چیز تجھ سے غائب کی ہے جس کو تیرے سپرد کر دوں گا۔

<u>خطاب نمبر ۱۰:</u> اے بندے! میں نے تجھ کو بے وجود کا مظہر بھی نہ بنایا تھا کہ وقت اپنے کرم کو تیرے ساتھ ملا لیا تھا اور میں ہر شے میں اپنی قدرت سے ظاہر ہوں تجھ کو میرا انکار کرنا کیسے ممکن ہے۔

<u>خطاب نمبر ۱۱:</u> اے بندے! میں جس کا مددگار بنا اس کو کب توڑا جاتا اور جس کا میں منکر ہوا وہ سب سے ساتھی رہا۔

<u>خطاب نمبر ۱۲:</u> اے بندے! تو قسمت کی فکر چھوڑ کر میری خدمت میں لگا رہ اور ربوبیت پر بدگمانی سے باز آ کر میرے ساتھ نیک گمان رکھ۔

<u>خطاب نمبر ۱۳:</u> اے بندے! یہ جائز نہیں کہ محسن پر بدگمانی کی جائے یا قدرت والے سے منازعت کی جائے یا غلبہ والے سے مخالفت کی جائے یا حکمت والے کے حکم پر اعتراض کیا جائے یا لطف کرنے والے کے سامنے ظلم پایا جائے۔

خطاب نمبر ۱۴: اے بندے! وہ شخص مراد کو پہنچا تو میرے سامنے اپنے ارادے سے علیحدہ ہوا اور آسانی کی رہ میں پا گیا جس نے مجھے حوالہ کیا اور اس کو خزانہ میں کیا، جو سچے طور سے میری طرف حاجت ہو اور میری حمایت کا مستحق ہو گیا، جس نے میرے ساتھ جنبش کی جب کسی جنبش کی اور بڑی مضبوط رسی پکڑی جس نے میری رسی پکڑی میں نے بذات خود قسم کھائی کہ اپنی تدبیر کو بدلا دوں تا کہ ہمیشہ مکدر رہیں اور جو بنا لیں اس کو گرا دوں، جو باندھیں اس کو کھول دوں اور ان کو ان ہی کے حوالے اور سپرد کر دوں، ان کو راحت، رضا اور نعمت تفویض نصیب نہ ہو، سوا اگر ان کو میری طرف کی سمجھ ہوئی تو میری تدبیر جو ان کیلئے ہے اس پر قناعت کرے اور اپنے لئے تدبیر نہ کرتے اور میں جو ان کی نگہداشت کرتا ہوں اس کو کافی سمجھ کر اپنے لئے نگہداشت نہ کرتے اس وقت میں ان کو رضا کی راہ چلاتا اور اہل ہدایت کا رستہ بتلاتا اور روشن طریق میں ان کو دوڑاتا اور اپنی عنایت کو تمام خوف کی چیزوں سے ان کیلئے میرا نگہبان بنا دیتا اور تمام امیدوں کی چیزیں حاصل کر دیتا اور یہ مجھ کو آسان ہے۔

خطاب نمبر ۱۵: اے بندے! ہم تجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو چاہ اور ہمارے آگے اور کسی چیز کا ارادہ مت کر اور ہم تیرے لئے یہ بات تجویز کرتے ہیں کہ ہم کو اختیار کر اور ہمارے آگے اور کسی کو اختیار مت کر اور ہم تیرے لئے یہ بات پسند کرتے ہیں کہ ہم کو پسند کر اور ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تو غیروں کو پسند کرے۔

خطاب نمبر ۱۶: اے بندے! اگر میں تجھ کو کامیاب کر دوں سو اس وجہ سے کہ اپنا فضل تجھ پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں اور اگر تجھ کو ہرا دوں تو اس وجہ سے کہ اپنی قضا میں تیرے پاس سے اسرار لطف بھیجنا چاہتا ہوں۔

خطاب نمبر ۱۷: اے بندے! جو کچھ میں نے اپنی نعمت تیرے اندر ظاہر فرمائی اس کا یہ بدلہ مت کر کہ مجھ سے منازعت کرنے لگے اور میں نے تجھ پر عقل دے کر احسان کیا جس سے تجھ کو اوروں سے ممتاز کیا اس کا عوض یہ مت کر کہ مجھ سے مخالفت کرے۔

خطاب نمبر ۱۸: اے بندے! جیسا زمین و آسمان میں میری تدبیر کرنا اور حکم و قضا میں یکتا ہونا تو نے تسلیم کر لیا ہے اسی طرح اپنا میرے ملک میں ہونا بھی تسلیم کر لے۔ کیونکہ تو میری ملک میں ہے اور میرے سامنے تدبیر مت کر کیونکہ تو میرے ساتھ معیت رکھتا ہے اور مجھ کو کارساز سمجھ اور میرے کفیل ہونے پر یقین کامل کر تجھ کو عطائے کثیر اور فخر کبیر دوں گا۔

خطاب نمبر ۱۹: اے بندے! میں ازل میں حکم کر چکا ہوں کہ میرے بندے کے دل میں نور، تسلیم اور ظلمت منازعت جمع نہ ہوں گے۔ جب ایک ہوگا دوسرا نہ ہوگا۔ اب اپنے لئے جو چاہے پسند کر لے۔ تحقیق مارے ہم نے تو تیرا مرتبہ اس سے بڑا بنایا ہے کہ تو اپنے ذاتی کام میں لگے، سو اپنی قدر مت گھٹا۔ اے وہ شخص! جس کو ہم نے بلند قدر کیا۔ میرے غیر پر حوالہ کر کے ذلیل مت ہو۔ اے وہ شخص! جس کو ہم نے معزز کیا۔ تحقیق مارے تو ہمارے نزدیک اس سے بلند قدر ہے کہ غیروں کے ساتھ مشغول ہو، میں نے تجھ کو اپنی ہی درگاہ کیلئے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف بلایا اور اپنے جذبات عنایت (بڑی عظیم الشان عزت) سے تجھ کو کھینچا۔ اگر اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہوگا تجھ کو محجوب (اندھیرے اور پریشانیوں میں جکڑا) کر دوں گا اور اگر اس کی خواہش کا اتباع کیا، تجھ کو نکال دوں گا اور اگر نفس سے جدا ہوا تجھ کو مقرب بنا لوں گا اور اگر ماسوا سے اعراض کر کے مجھ سے محبت کی تجھ کو قبول کر لوں گا۔

خطاب نمبر ۲۰: اے بندے! اگر تو کفایت اور ہدایت چاہے تو کیا یہ امر کافی و وافی نہیں ہے کہ میں وہ ہوں کہ میں نے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا اور صدق دیا پھر عطا دی، میرے احکام میں منازعت کرنی اور میرے افعال میں معارضہ کرنے سے کیا یہ امر مانع نہیں ہو سکتا۔

خطاب نمبر ۲۱: مجھ پر یقین نہیں رکھتا، مجھ سے منازعت کرتا ہے، مجھ کو واحد نہیں سمجھتا، میرے آگے تدبیر کرتا ہے، مجھ سے خوش نہیں، میری نازل کی ہوئی بلا پر اوروں سے شکایت کرتا ہے اور اس شخص نے مجھ کو اختیار نہیں کیا جس نے میرے

سامنے اختیار رکھا اور میرا حکم بجا نہیں لایا جس شخص نے میرے قہر کے آگے گردن نہ جھکائی، مجھ کو نہیں پہچانا، جس نے اپنا کام میرے سپرد نہیں کیا، وہ مجھ سے ناواقف رہا جس نے مجھ پر توکل نہیں کیا۔

خطاب نمبر ۲۲: اے بندے! تیری یہ کیسی جہالت ہے کہ اپنے قبضے کی چیز پر تو دل کو قرار دیتا ہے اور میرے قبضے کی چیز پر قرار نہیں، اور میں تو تیرے لئے یہ بات پسند کروں کہ تو مجھ کو اختیار کرے اور تو میرے مقابلہ میں اوروں کو اختیار کرتا پھرے۔ کمبختی کے مارے عبودیت اور اختیار جمع نہیں ہوتے ہیں، تو ایک ہی امر اختیار کر یا میری طرف بھی متوجہ ہو اور مخلوق کی طرف بھی، سو یا تو میں تیرا رہوں گا یا تو اپنا رہے گا، سو خوب سوچ سمجھ کر ایک بات اختیار کر لے اور ہدایت کی عوض گمراہی (نقصان گوارہ) مت لے۔

خطاب نمبر ۲۳: اے بندے! خود اگر مجھ سے اپنے لئے تدبیر کو طلب کرے تو تیرا جہل ہے اور تو اپنی تدبیر کرے اس کا تو کیا ذکر ہے اور اگر میرے آگے کسی چیز کو تجویز کرے تو تیری بے انصافی ہے چہ جائے کہ مجھ کو چھوڑ کر کسی کو اختیار کرے۔

خطاب نمبر ۲۴: اے بندے! اگر میں تدبیر کی اجازت بھی دے دیتا تب بھی تجھ کو لازم تھا کہ تدبیر کرتے ہوئے شرماتا چہ جائے کہ تجھ کو یہ حکم کر چکا ہوں کہ تدبیر مت کر۔

اے وہ شخص! جو اپنے نفس کی فکر میں لگا ہے اگر تو اس کو ہمارے حوالے کر دیتا تو آرام پاتا۔ کمبختی کے مارے تدبیر کے بوجھ کو تجویز ربوبیت کے کوئی برداشت نہیں کر سکتا، بشریت کو اس کی قوت نہیں، کمبختی کے مارے تجھ کو تو اور کوئی اختیار ہی ہے تو کیوں بوجھ اٹھاتا ہے، ہم کو تیری راحت منظور ہے، تو اپنی جان کو مشقت میں مت ڈال۔ پیٹ کے اندھیرے میں تیری کس نے تدبیر کی تھی، بعد موجود ہونے کے جو تم نے چاہا تجھ کو دیا، تجھ کو زیبا نہیں کہ اب وہ جو چاہتا ہے اس میں منازعت کرے۔

خطاب نمبر ۲۵: اے بندے! تجھ کو میں نے اپنی خدمت کا حکم دیا اور اپنے رزق کا تیرے لئے ذمہ دار ہوا تو نے میرا حکم مہمل چھوڑا اور جس چیز کی ذمہ داری کی تھی اس

میں شک کیا اور میں نے صرف ذمہ داری پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس پر قسم بھی کھائی، پھر قسم پر بھی اکتفا نہیں کیا۔ اس کی مثال بھی بیان کی اور سمجھدار بندوں کو خطاب کیا۔ پس کہا میں نے: وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ○ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ ○ اس آیت میں ہے ذمہ داری اور قسم اور مثال جیسا اوپر گزر چکی اور عارفین نے میرے اوصاف پر اکتفا کیا اور اہل یقین نے میرے کرم پر حوالہ کیا۔ سو اگر میرا وعدہ بھی نہ ہوتا تب بھی وہ یقین کرتے کہ میں ان سے اپنی واردات عطاء کو بند نہ کروں گا اور اگر میری ضمانت بھی نہ ہوتی تو میری صفت احسان پر وہ لوگ یقین کر لیتے اور میں ان لوگوں کو رزق دیتا ہوں جو غفلت و معصیت میں مبتلا ہیں۔ تو ان کو کیسے رزق نہ دوں گا جو میری اطاعت اور رعایت کرتے ہیں۔ ارے کمبخت مارے جو درخت کو بوتا ہے وہی سینچتا بھی ہے اور خلقت کا مدد کرنے والا وہی ہے جس نے اس کو پیدا کیا اور مخلوق کیلئے یہی بات بہت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہے اور پاداش دینے والا ہے۔ مجھ سے ایجاد ہوا میرے ہی ذمے دوام امداد (ہمیشہ مدد کرنا) بھی ہے، مجھ سے تخلیق ہوئی میرے ہی ذمہ ہمیشہ رزق دینا بھی ہے۔ ارے کمبخت مارے تو اپنے گھر میں کسی کو بھی دعوت کرتا ہے سوائے اس کے جس کو کھانا کھلانا منظور ہو اور کسی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے سوائے اس کے جس کی خاطر منظور ہو۔

خطاب نمبر ۳۶: اے بندے! تو بجائے فکر رزق کے ہماری فکر رکھ کیونکہ جو چیز میں اپنے ذمہ لے چکا ہوں تو اس میں کیوں تعب (مشقت و محنت) اٹھاتا ہے اور جس چیز کو تو اپنے ذمے لے چکا ہے، یعنی عبادت تو اس کا ہو رہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم تجھ کو اپنے گھر میں لائیں اور اپنے احسانوں سے محروم رکھیں تجھ کو وجود میں ظاہر کریں اور تیری مدد نہ کریں تجھ کو ہستی کی طرف لائیں اور اپنا کرم نہ کریں کیا اپنا حق تو تجھ سے طلب کروں گا اور اپنا رزق تجھ کو نہ دوں گا کیا تجھ سے خدمت چاہوں گا اور حصہ نہ دوں گا۔ ارے کمبخت مارے میرے پاس تیرے لئے طرح طرح کی بخششیں ہیں

اور تجھ کو اپنا مظہر رحمت بنایا اور میں نے تیرے لئے صرف دنیا پر بس نہیں کیا یہاں تک کہ جنت کو ذخیرہ کر کے رکھا اور اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ اپنے دیدار سے تجھ کو یاد فرمایا پس ہرگاہ میرے یہ احسان تجھ پر ہیں پھر میرے افعال میں کیسے شک کرتا ہے۔

<u>خطاب نمبر ۲۷</u>: اے بندے! میری نعمت کا کوئی لینے والا اور میرے فضل کا کوئی مانگنے والا ضرور ہونا چاہیے اور میں اس سے غنی ہوں کہ منافع سے نفع حاصل کروں اس پر دلیل قطعی قائم ہے۔ سو اگر تو مجھ سے یہ بھی درخواست کرے کہ تجھ کو اپنا رزق نہ دوں تب بھی تیری بات نہ مانوں اگر تو مجھ سے یہ درخواست کرے کہ تجھ کو اپنے فضل سے محروم کروں تب بھی محروم نہ کروں۔ پھر اس وقت تو کیونکر محروم کروں گا کہ ہمیشہ تو مانگا کرتا ہے اور اکثر اوقات طلب کیا کرتا ہے سو مجھ سے اب حیا کر اگر ابھی تک حیا نہ کرتا تھا اور میری طرف کی بات سمجھ اس کو سب کچھ ملا جو میری طرف کی بات سمجھا۔

<u>خطاب نمبر ۲۸</u>: اے بندے! مجھ کو اختیار کر اور مجھ کو چھوڑ کر اور کسی کو مت اختیار کر اور اپنے دل کو صدق سے میری طرف متوجہ کر۔ اگر تو ایسا کرے گا تو تجھ کو غرائب لطف اور عجائب کرم (بے مثال مہربانیاں اور عجیب و غریب عنایتیں) دکھلاؤں گا اور تیرے باطن کو اپنے مشاہدہ سے متمتع کروں گا۔ میں نے اہل تحقیق کیلئے راستہ ظاہر کر دیا ہے اور صاحبان توفیق کیلئے نشان ہدایت کے واضح کر دیئے ہیں۔ سو اہل یقین نے تحقیق کے ساتھ میری طرف تسلیم کیا ہے اور اہل ایمان نے دلیل کے ساتھ مجھ پر توکل کیا ہے۔ انہوں نے یقین کر لیا ہے کہ میں ان کیلئے اس سے بہتر ہوں کہ وہ اپنے لئے ہوں اور میری تدبیر ان کیلئے زیادہ کارآمد ہوگی بہ نسبت اس کے کہ وہ اپنے لئے خود تدبیر کریں۔ پس انہوں نے گردن جھکا کر میری ربوبیت کو مان لیا اور اپنے کو میرے سامنے تفویض کر کے ڈال دیا میں نے اس کی عوض ان کی جانوں میں راحت دی اور عقلوں میں نور اور قلوب میں معرفت اور باطن میں یقین قرب۔ یہ تو اس دنیا میں ہوا اور جب میرے پاس آ گئے تو اس وقت ان کے منصب کو بڑا کروں گا، ان کا مرتبہ بلند کروں گا اور بزرگی کے جھنڈے ان پر کھولوں گا اور جب

ان کو اپنے گھر (یعنی جنت الفردوس) میں داخل کروں گا تو ان کیلئے ایسی چیزیں ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی بشر کے قلب پر گزریں۔

<u>خطاب نمبر ۳۹</u>: اے بندے! جو وقت گزر گیا ہے میں نے اس میں تجھ سے خدمت طلب نہیں کی، تو تجھ سے اس وقت کی روزی کیسے مانگتا ہے؟ جب میں تجھ کو عبادت کی تکلیف دوں گا تو رزق کا بوجھ خود اٹھاؤں گا اور جب تجھ سے خدمت طلب کروں گا تو کھانا بھی کھلاؤں گا اور یقین کر کہ میں تجھ کو نہ بھلاؤں گا اگرچہ تو مجھ کو بھلا دے اور میں تجھ کو یاد کرتا ہوں جس وقت کہ تو مجھ کو یاد کرے اور میرا رزق تجھ پر جاری رہے گا۔ اگرچہ تو میری نافرمانی کرے۔ پس مت اعراض کر جب تجھ سے ایسا ہوں، سو اگر تو میری طرف متوجہ ہوا اس وقت تجھ کو اپنے ساتھ کس طرح سمجھتا ہے؟ تو نے میری قدر کما حقہ نہیں پہچانی۔ اگر میرے قہر کے آگے گردن نہ جھکا دی اور میرے احسان کی وجہ سے رغبت نہیں کی، اور اگر میرا حکم نہ بجا لایا سو مجھ سے اعراض مت کر، تجھے ایسا کوئی نہ ملے گا جو میرا بدل ہو سکے۔ کسی سے مل کر مجھ سے بے پرواہی مت کر، کوئی مجھ سے تجھ کو بے نیاز نہیں کر سکتا۔ میں اپنی قدرت سے تیرا پیدا کرنے والا ہوں میں ہی نعمت تجھ پر فراخ کرنے والا ہوں، سو جیسے میرے سوا کوئی خالق نہیں ایسا ہی میرے سوا کوئی رازق نہیں، کیا میں احسان خود کروں گا اور غیروں پر ٹال دوں گا اور میں بڑے فضل والا ہوں اور بندوں کو غیروں سے روکتا ہوں، سو اے بندے! مجھ پر یقین کر کہ میں رب العالمین ہوں اور میرے آگے اپنی مراد سے سبکدوش ہو جا۔ میں تجھ کو تیری مراد کو پہنچا دوں گا اور میرے الطاف ساتھ یاد کر اور حق محبت مت بھول۔

اس کے بعد مصنف کہتے ہیں۔

دعا و خاتمہ کتاب

ہم کو منظور ہوا کہ اس کتاب کو ایسی دعا پر ختم کریں جو اس مضمون کے مناسب ہو جس کیلئے یہ کتاب بنائی گئی ہے اور وہ دعا یہ ہے:

یاالٰہی! ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ محمدؐ اور آل محمدؐ پر رحمت بھیج۔ جیسے تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر اس عالم میں رحمت بھیجی۔ بے شک تو محمود ہے، بزرگ ہے۔

یاالٰہی! ہم کو ان لوگوں میں سے کر دے جو تیری اطاعت کرنے والے ہیں اور ہم کو اس سے علیحدہ کر کہ تیرے آگے یا تیرے مقابلہ میں تدبیر کریں اور ہم کو اہل تفویض سے کر دے۔ یاالٰہی! تو ہمارا اس وقت تھا کہ ہم بھی اپنے نہ تھے، پس ہمارے ہونے کے بعد بھی ہمارا اسی طرح ہو رہ جیسا ہمارے ہونے سے پہلے تھا اور ہم کو اپنے لطف کی خلعت پہنا اور اپنی عنایت و مہربانی سے ہم پر متوجہ ہو اور تدبیر کے اندھیرے ہمارے دلوں سے نکال اور ہمارے باطن میں نور تفویض کو روشن کر اور اپنا حسن اختیار ہم کو مشاہدہ کرا دے، یہاں تک کہ جس چیز کا تو ہمارے لئے حکم فرمائے اور پسند کرے وہ ہم کو اس سے زیادہ پیاری ہو جائے جس کو ہم اپنے لئے پسند کریں۔

یاالٰہی! جس چیز کی تو نے ہمارے لئے ذمہ داری کی ہے اس میں ہم کو مت لگا کہ تیرے حکم سے غافل ہو جائیں۔ یاالٰہی! تو نے ہم کو اپنی اطاعت اور دوام خدمت کیلئے بلایا اور ہم کو بے طاقت نہیں سمجھا مگر ہاں اگر تو قدرت دے اور ہماری یہ ہمت نہیں مگر ہاں اگر تو قوت دے اور جب تک کہ تو ہم کو کسی حالت میں نہ کر دے ہم اس حالت میں کہاں ہو سکتے ہیں اور جب تک کہ تو نہ پہنچائے ہم کسی مطلب کو کہاں پہنچ سکتے ہیں اور جب تک کہ تو ہماری اعانت نہ کرے ہم کو کسی شے کی قدرت کہاں ہے؟ سو ہم کو اپنے حکم بجالانے کی توفیق دے اور منہیات (منع کی ہوئی چیزوں) سے بچنے پر مدد فرما۔

یا الٰہی! ہم کو روضۂ تفویض اور جنتِ تسلیم میں داخل فرما اور ہم کو اس جنت میں چین سے رکھ اور ہمارے باطن اپنے ساتھ مشغول رکھ، اس کی نعمت لذت کے ساتھ ہم کو اپنی لذت دے، اس کی زینت و رونق۔ یا الٰہی! ہم پر اپنی فرمانبرداری کا نور تو ایسے چمکتے انوار روشن فرما، جس سے ہمارے باطن پر رونق ہو، ہمارے انوار کامل ہو جائیں۔ یا الٰہی تو نے سب چیزوں کے ہونے سے پہلے ان کی تقدیر فرمائی اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہی ہو گا جو تو چاہے گا اور اس یقین سے ہم کو جب ہی فائدہ ہو گا کہ جب تو چاہے گا۔ سو ہم کو اپنی تدبیر سے کر رخصت کر اور اپنے فضل سے ہماری شان بلند کر، اور اپنی عنایت سے ہماری طرف قصد فرما اور اپنی رعایت سے ہم کو گھیر لے اور اپنی ولایت کے خصوصیت ہم کو پہنا اور اپنی حمایت میں ہم کو داخل فرما۔ بے شک تجھ کو ہر شے پر قدرت ہے۔

یا الٰہی! ہم جانتے ہیں کہ تیرے حکم کا کوئی رد نہیں کر سکتا اور تیری قضا کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا اور ہم تیری قضا کے ہٹانے سے اور تیرے حکم کے ٹال دینے سے عاجز ہیں، سو ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنی قضا میں لطف فرما اور حکم میں تائید فرما اور ہم کو اس باب میں ان لوگوں میں سے کر دے جن کی تو رعایت فرماتا ہے۔ اے رب العالمین یا غنی! تو ہمارا حصہ لکھ چکا ہے جس کو ہمارے پاس پہنچا دے گا، سو اس کو ہمارے پاس خوشگواری اور بے مشقت کے ساتھ پہنچا دے کہ تعب سے محفوظ رہیں، اور وصول پر ہم کو توفیق دے اس کو تیری جانب سے دیکھیں تا کہ شکر کریں اور اس کو تیری طرف منسوب کریں اور عالم میں سے کسی کی طرف نسبت نہ کریں۔

یا الٰہی! تمام رزق تیرے ہاتھ میں ہے دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی۔ سو ہمیں دونوں میں سے اس قدر عنایت فرما جس میں تو ہماری مصلحت و منفعت جانے۔ یا الٰہی ہم کو ان لوگوں میں سے کر جنہوں نے تجھ کو اختیار کر لیا ہے اور ان لوگوں میں سے مت کر جو تجھ کو چھوڑ کر اور کسی چیز کو اختیار کرتے ہیں اور ہم کو ان لوگوں میں سے کر جو تیری طرف تفویض کرنے والے ہیں ان لوگوں میں سے مت کر جو تجھ پر

مناجات

نظم مناجات خاتمہ کتاب از مولانا سید حمزہ صاحب دہلوی حسب ارشاد حضرت قبلہ و کعبہ پیر و مرشد مولانا ابو الثانی الشیخ الشاہ محمد امداد اللہ صاحب مدظلہ برکاتہم برائے سہولت حفظ اہل ذوق و شوق کہ بوقت مناجات آں را تکرار کنند و حفظ گیرند

اے خدائے قابل حمد و سپاس — تجھ سے اب یہ ہے ہماری التماس
بھیج تو رحمت شہ لولاک پر — بعد ازاں ان کی آل پاک پر
جس طرح بھیجی ہے ابراہیم پر — اور ان کے آل باتکریم پر
شک نہیں اس میں کہ تو محمود ہے — سب سے اعلیٰ یعنی تو معبود ہے
یاالٰہی ہم کو ان لوگوں میں کر — جو اطاعت سے تری ہیں بہرہ ور
تیری خدمت کیلئے استادہ ہیں — تیری طاعت کیلئے آمادہ ہیں
دے ہمیں تفویض کا اعلیٰ مقام — تا کہ ہم تدبیر سے رکھیں نہ کام
یاالٰہی جب کہ ہم معدوم تھے — تیرے افضال و کرم قیوم تھے
اب جو ہم موجود دنیا میں ہوئے — اب بھی وہ تیرے فضل کا سایہ رہے
اسے جدا پہنا دے خلعت لطف کا — کر عنایت کی نظر ہم پر ذرا!
ظلمت تدبیر قلبوں سے نکال — نور بخش تفویض کا ..... اے ذوالجلال
اے خدا اے حاکم حکمت شعار — ہم کو دکھلا اپنا حسن اختیار
تا کہ ہو تیرے پسندیدہ سے کار — ہو پسند اپنی نظر میں اپنی خوار
تو نے ہے جس چیز کا ٹھیکہ لیا — اس میں یارب ہم کو اب مت لگا
جو ترے احکام میں غفلت کریں — تیرے ذمے کی نہ جو وسعت کریں
یاالٰہی حکم ہے تیرا ہمیں! — دائم تیری اطاعت میں رہیں!
لیک ہم کو اس قدر طاقت نہیں — باندھے ہمت میں کمر ہمت نہیں
پر سہارا دے تری توفیق گر — قوت و ہمت ہو میری بیشتر
جب تلک تو دے نہ ہم کو کوئی حال — ہم کو ہو اس حال کی کیسے مجال
تو نے جب تک ہم کو پہنچا دے بھلا — ہم در مقصود تک پہنچیں گے کیا

تو ہماری جب اعانت میں نہ ہو
بس الٰہی ہم کو یہ توفیق دے
اور منہیات سے یا رب بچا
اور اس جنت میں رکھ راحت کے ساتھ
نے تعلق ہم کو ہو لذت کے ساتھ
اپنی لذت کو یا رب تو چکھا
نور طاعت اور اطاعت کا دکھا
تا کہ ہو انوار کو اپنے کمال
جب کہ تھی ہر چیز بے نام و نمود
تو نے کی تدبیر اس کے واسطے
ہے یقیں ہم کو جو مرضی ہے تری
اس یقین کا فائدہ بھی جب ملے
ہم کو اپنی خیر پہ فائز بنا
کر عنایت اپنی تو ہم پہ بسیط
ہم کو پہنچا خاصۂ اللہ ولا
تجھ کو ہے ہر شے پہ قدرت بیکراں
ہو مقابل کون تیرے حکم کا!
ہم سے ہو سکتی نہیں رد قضا
التجا ہے اس لئے اے ذوالمنن
حکم میں اپنی مدد کر کردگار
جن کی کرنی ہے رعایت تو مجھ
تو نے قسمت میں لکھا ہے جو الٰہ
اس کو اچھی طرح پہنچ اے خدا
تا حفاظت ہم کو دوری سے رہے
اس کو تیری طرف سے جا ئیں گر

کوئی بھی شے اپنی قدرت میں نہ ہو
ہو تعلق حکم کی تعمیل سے
روضۂ فردوس کی سیریں دکھا
اور دل مشغول رکھ طاعت کے ساتھ
نے علاقہ کچھ رہے نعمت کے ساتھ
دے نہ اس کی زینت و رونق جزا
اور دلوں کو اس سے پر رونق بنا
یعنی حاصل ہو ہمیں قرب و وصال
نام کو بھی وہ نہ رکھتی تھی وجود
فائدے ان کے مہیا کر دیئے
پیش سب کو آنے والا ہے وہی
جب نظر اس پہ تری خواہش کرے
اور اپنے فضل سے رتبہ بڑھا
کر رعایت اپنی تو ہم پہ محیط
اور دے اپنی حمایت میں بھی جا
تجھ کو ہے ہر شے پہ قوت بیکراں
بالیقیں ممکن نہیں جنبش قضا!
ہم سے ٹل سکتا نہیں جو ہو چکا
لطف کر اپنی قضا میں بے محن
اپنے ان لوگوں میں کر پروردگار
یعنی کرنی ہے عنایت ہی تجھے
وہ ہمیں پہنچائے گا بے اشتباہ
ہو مشقت کا نہ ہم کو سامنا
روشنی نور حضوری سے رہے
شاکروں میں تا کہ ہو اپنا مقر

اس کی نسبت تیری ہی جانب کریں ۔۔۔ دوسرے کو اس سے نسبت ہی نہ دیں

یا الٰہی روزیٔ دنیا و دیں ۔۔۔ ہے تمہاری پاس تیرے بالیقیں

بس ہمیں تو اس قدر دے مائدہ ۔۔۔ جس قدر سمجھے ہمارا فائدہ

ہم کو ان لوگوں میں کر اے کردگار ۔۔۔ کر لیا تجھ کو جنہوں نے اختیار

ہم کو ان لوگوں میں مت کر اے خدا ۔۔۔ دوسرے کے ہو گئے جو بے وفا

ان میں جو تفویض کے ہیں معترض ۔۔۔ کر نہ ان میں جو ہیں تجھ پر معترض!

ہیں ترے محتاج دے حاجت ہمیں ۔۔۔ عاجز طاعت ہیں دے قدرت ہمیں

ہمت و طاعت ہمیں دے اے کریم! ۔۔۔ معصیت میں عاجزی مستدیم

وہ ہمیں توفیق دے باری خدا ۔۔۔ ویں ربوبیت کے آگے سر جھکا

پھر الوہیت کے سب احکام پہ ۔۔۔ استقامت سے رہیں بستہ کمر

ذات والا سے ہمیں دے انتساب ۔۔۔ تا کہ عزت سے بنیں ہم بہرہ یاب

دے توکل سے ہمارے دل کو چین ۔۔۔ اور کر ان میں خدا اے مشرقین

جن کو تسلیم و رضا دونوں مقام ۔۔۔ ہو گئے حاصل علی وجہ التمام

اور عرفاں میں ترے کامل ہوئے ۔۔۔ خاص لوگوں میں ترے داخل ہوئے

قرب سے تیرے ہوئے جو بہرہ ور ۔۔۔ چکھ چکے جو عشق کا اپنے ثمر

جو ہمیشہ تیرے ہیں خدمت گزار ۔۔۔ ہیں یقیں معرفت سے کامگار

جو کہ پیرو ہیں رسولؐ پاک کے ۔۔۔ اور وارث ہیں شہ لولاک کے

فیض سے ان کے سدا ہیں بہرہ یاب ۔۔۔ صرف ان سے رکھتے ہیں وہ انتساب

حق نیابت کا ادا کرتے ہیں وہ! ۔۔۔ حق وراثت کا ادا کرتے ہیں وہ

کر میسر ہم کو حسن خاتمہ ۔۔۔ ہے دعا کا بھی یہ حسن اختتام

بھیج آقا پہ ہمارے تو درود! ۔۔۔ کاملہ رحمت خدایا اور سلام

ہے محمدؐ جن کا نام معتبر ۔۔۔ اور ان کی آل اور اصحاب پر

ناظم وقاری کے حق میں اے خدا

کیجئے مقبول یہ ساری دعاء

☆☆☆☆☆